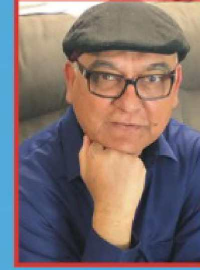
بیماری یا روحانی تجربہ

حیدر قریشی



BEEMARI YA ROOHANI TAJRABA

By Haider Qureshi



مجھے جو کچھ پیش آیا، میں نے جو روحانی تجربہ کیا، اسے جہاں تک بیان کرنا ممکن تھا، میں نے بیان کر دیا ہے۔ میں اسے ایسا نادر کشف سمجھتا ہوں جو عام کشوف سے مختلف ہے اور جس میں مجھے میرا پورا جسم بھی شریک محسوس ہوتا رہا۔ میرے دادا جی اور ابا جی کے تجربات سے جڑا ہوا میرا تجربہ میرے لئے ایک روحانی تجربہ تھا۔ میں نے اپنے تجربے میں خود آپ کو شریک کیا ہے۔

آپ اسے ایسا ہی سمجھیں، یا اسے میری بیماریوں کا اثر سمجھیں،

دواؤں کا ری ایکشن سمجھیں، یا کچھ اور سمجھیں،

آپ کو اس کے بارے میں کوئی بھی رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔

میرا لکھا ہوا اپنی جگہ موجود ہے۔ اور موجود رہے گا۔ دماغ کی بیداری کے ساتھ میں نے اسے سچے دل سے لکھا ہے، سو اسے کتابِ دل سمجھیں۔

کہیں کہیں میں نے اپنی بعض باتوں کو ایک سے زیادہ مرتبہ بیان کیا ہے۔ یہ ان باتوں کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ضروری تھا۔ جب آپ ان باتوں پر غور کریں گے تو آپ کو ان کے دہرائے جانے کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

اپنی اڑانیں، ساری شانیں، تیرے دَم سے یار
تیرے ہاتھ ہوائیں ساری تیرے ہاتھ میں ڈور

حیدر قریشی

وَتُخرِجُ الحَیَّ مِنَ المَیّتِ وَتُخرِجُ المَیّتَ مِنَ الحَیّ (ال عمران:۲۷)

اور تو نکالے زندہ مُردہ سے اور نکالے مُردہ زندہ سے

بیماری یا روحانی تجربہ

حیدر قریشی

سرور ادبی اکادمی۔ جرمنی

جملہ حقوق بحق حیدر قریشی محفوظ

E-Book

Beemari ya Roohani Tajraba?

By: Haider Qureshi

Year of 1st Edition: 2020

نام کتاب:	بیماری یا روحانی تجربہ؟
مصنف:	حیدر قریشی
سرورق:	ارشد خالد
اشاعت اول:	اکتوبر 2020 ء

Sarwar Adabi Academy,Geramny

Rossertstr.6,

65795 Hattersheim,

Germany

....

E-Mail:

haider_qureshi2000@yahoo.com

hqg786@gmail.com

....

WhatsApp

004915211950522

انتساب

ابا جی اور دادا جی کے نام

دل میں بسنے والے دُور بھلا کب ہوتے ہیں
دنیا کی نظروں میں بے شک دُوری ہوتی ہے

ابا جی اور دادا جی دونوں کے حوالے سے

وہ بڑ
کب کا صحرا کے سینے میں گُم ہو چکا ہے
مگر آج میں جانتا ہوں/وہ میری ہی تصویر تھا/میرا اوتار تھا/میرا چہرہ تھا وہ
میں نے خود اُس کو بھیجا تھا/اپنی طرف
اُسے خود بُلایا تھا اپنی طرف!

اور پھر۔۔۔ یوں ہُوا/مَیں نے اِک بار پھر/بَڑ کا بہروپ بدلا
خود اپنے ہی اندر سے باہر نکل کر/وہاں، جس جگہ اب سے پہلے/خُشک ریت کا ایک صحرا بچھا تھا
مَیں پتوں کا اِک تاج/سر پر سجائے/کھڑا ہو گیا
پھر مَیں
اپنے ہی چھتنار کی ٹھنڈی چھاؤں میں/اپنی ہی ریشِ مبارک کے سائے میں
دھرتی کی مسند پہ/تشریف فرما ہُوا/
آلتی پالتی مار کر/ایسے بیٹھا کہ جیسے ازل سے/یہی میرا مسکن تھا
آنکھوں کو میچے/مَیں اپنے ہی محور پہ/گردش سی کرنے لگا
اپنے ''ہونے'' کے ٹوٹے ہوئے آئینے میں
خُود اپنے ہی منظر کو/تکنے لگا!

(ڈاکٹر وزیر آغا کی طویل نظم ''آدھی صدی کے بعد'' سے اقتباس)

مذہب، سائنس اور ادب

مجھے مذہب اور سائنس کے اس پہلو سے دلچسپی ہے جہاں سائنس آزادانہ طور پر کائنات اور اس کے بھیدوں کی نقاب کشائی کا کوئی مرحلہ سر کرتی ہے اور **لا الہ** ۔۔کا منظر دکھاتی ہے اور وہیں کہیں آس پاس سے مذہب کی بخشی ہوئی کوئی روحانی کیفیت یا کوئی مابعد الطبیعاتی لہر مجھے اس نفی میں سے اثبات کا جلوہ دکھاتی ہے اور **الا اللہ** کی صدائیں آنے لگتی ہیں۔اور یہ سارا سائنسی اور مابعد الطبیعاتی آہنگ میری ادبی جمالیات میں میری ادبی استطاعت کے مطابق اپنے رنگ دکھانے لگتا ہے۔کمپیوٹر کے چِپ کی کارکردگی منکر نکیر اور یومِ حساب پر ایمان پختہ کرتی ہے تو کلوننگ کا تجربہ حیات بعد الموت کا سائنسی ثبوت دے کر اس عقیدہ پر مجھے مزید راسخ کرتا ہے۔خلا کو نکال دینے سے ساری کائنات کا مادہ سوئی کی نوک پر سما جانے،اور پھر کسی اینٹی میٹر کے اس سے ٹکرانے کے نتیجہ میں اس کے بھی غائب ہو جانے کا سائنسی دعویٰ مجھے اس قیامت پر پکا یقین دلاتا ہے جس میں ساری کائنات فنا ہو جائے گی اور صرف خدا کی ہستی باقی رہے گی۔میرا شروع سے یہی خیال رہا ہے کہ سائنس خدا کی نفی کرتے ہوئے اسی کی طرف جا رہی ہے،مذہب روحانی طور پر اسی کی طرف سفر کراتا ہے اور ادب بھی جمالیاتی سطح پر اسی حقیقتِ عظمیٰ کی طرف سفر کرتا ہے۔اور بس۔۔۔

(میری کتاب ''کھٹی میٹھی یادیں'' کے باب ''رہے نام اللہ کا!'' سے اقتباس)

روحانیت سے کیا مُراد ہے؟

برادرم نذر خلیق نے مجھے ایک الجھن میں ڈال دیا ہے۔انہوں نے میری دوسری تحریروں کے بعض مندرجات سے عمومی طور پر اور یادوں کی قسط ''رہے نام اللہ کا!'' سے خصوصی طور پر اخذ کر کے استفسار کیا ہے کہ میں جب روحانیت کی بات کرتا ہوں تو اس سے میری کیا مراد ہوتی ہے؟اور ان کا اصرار ہے کہ میں اس کا جواب کسی مضمون میں یا پھر یادوں کی کسی قسط میں ہی لکھ دوں۔یہ بیک وقت بہت ہی آسان اور بہت ہی مشکل سوال ہے۔سو اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق مختصر ترین عرض کرتا ہوں کہ انسانی روح جب اپنے اصل مالک و خالق کی جستجو کا سفر کرتی ہے تو یہ سفر روحانیت کہلاتا ہے۔خالقِ کائنات روحِ اعظم ہے۔ہم سب اسی کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف ہم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔کسی کی وفات پر **انا للہ و انا الیہ راجعون** کہتے ہوئے ہم دراصل اسی حقیقت کا اقرار کر رہے ہوتے ہیں۔

اُسی کے پاس تو جانا ہے لَوٹ کر آخر
سو خوب گھومیئے، پھریئے، رجوع سے پہلے

پیغمبرانِ الٰہی کی روحانیت ایک الگ مقام و مرتبہ ہے،اولیا و صوفیا کی روحانیت کے بھی اپنے اپنے مدارج ہیں۔ان سے ہٹ کر کوئی عام انسان اگر سچی لگن کے ساتھ خدا کی جستجو کرتا ہے،تو اس کی یہ جستجو ہی اس کی روحانیت ہے،اس میں وہ جتنی ترقی کرتا جائے گا،اتنا ہی روحانی طور پر آگے بڑھتا جائے گا۔

(میری کتاب ''کھٹی میٹھی یادیں'' کے باب ''روح اور جسم'' سے اقتباس)

فہرست

میری دھرتی سے پرے کوئی بلاتا ہے مجھے
کہکشاؤں کی عجب راہ دکھاتا ہے مجھے

دنیا کو سمجھائیں کیسے، آخر کیسے سمجھے
باتیں اپنی سچی، سیدھی اور دنیا ہے گول
کب اپنی پہچان کے سارے بھید کھلے ہیں خود پر
جھانک ابھی کچھ اور بھی اندر، من کو اور ٹٹول

پیش لفظ

مجھے اپنے ایک روحانی تجربے کی روداد بیان کرنی ہے لیکن اپنی روداد سے پہلے اپنے دادا جی اور ابا جی کے دو تجربوں کے بارے میں بتادینا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلے میرے دادا جی کا تجربہ:

دادا جی معمولی سا بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا۔سارے عزیز و اقارب جمع ہو گئے۔دادا جی کو غسل دے دیا گیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔وفات کی خبر سن کر آئے ہوئے سارے لوگ خوفزدہ ہو گئے۔کچھ چیختے چلاتے گھر سے نکل بھاگے،ایک دو عزیز دہشت سے بے ہوش ہو گئے۔ ابا جی کو''شادیٔ مرگ'' کا مطلب پوری طرح سمجھ میں آ گیا۔دادا جی اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فوراً کہنے لگے دوسری گلی سے اللہ رکھا کمہار کا پتہ کراؤ۔وہاں سے پتہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ابھی ابھی بیٹھے بیٹھے ہی فوت ہو گیا ہے۔۔دادا جی نے ایک انوکھی کہانی سنائی۔انہوں نے بتایا کہ مجھے دو سفید کپڑوں والے کہیں لئے جا رہے تھے کہ ایک مقام پر رُکنا پڑا۔وہاں موجود کچھ اور سفید کپڑوں والوں نے ایک رجسٹر چیک کیا(اسے عالم بالا کا شناختی کارڈ آفس سمجھ لیں)دادا جی کو لے جانے والوں کو،چیکنگ کرنے والوں نے کہا:باری تو اللہ رکھا کمہار کی تھی تم لوگ اللہ رکھا قریشی کو لے آئے ہو۔چنانچہ غلطی معلوم ہوجانے کے بعد دادا جی کو پھر اس دنیا میں واپس لایا گیا اور اسی وقت اللہ رکھا کمہار کی موت واقع ہو گئی۔جہاں تک اس واقعہ کی صحت کا تعلق ہے ابا جی،بابا جی،بوا حیات خاتون۔۔سب نے یہ واقعہ اپنی چشم دید گواہی پر بیان کیا۔چاچڑاں شریف اور کوٹ شہباز کے بعض دُور کے اور بوڑھے عزیزوں نے بھی تصدیق کی کہ ہم بھاگ نکلنے والوں میں شامل تھے۔اس قصے کا اصل بھید کیا تھا؟یہ تو شاید کوہ ندا کی دوسری سمت جا کر ہی معلوم

ہو سکے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ سفید کپڑوں والے سارے فرشتے سرائیکی زبان بول رہے تھے۔ ظاہر ہے انہیں علم تھا کہ ہمارے دادا جی صرف سرائیکی زبان ہی جانتے ہیں۔

(خاکوں کے مجموعہ''میری محبتیں'' کے خاکہ''ڈاچی والیا موڑ مہاروے'' سے اقتباس)

اور اب میرے ابا جی کا تجربہ:

۔۔۔۔۱۹۵۰ء میں ابا جی اچانک بیمار ہوئے تھے۔اس علالت میں عجیب و غریب قسم کے دورے پڑتے تھے۔بابا جی کے بیان کے مطابق ابا جی کو چار چار پانچ پانچ کڑیل جوانوں نے دبایا ہوتا تھا مگر ابا جی اس طرح اٹھ بیٹھتے کہ انہیں دبانے والے لڑھکتے ہوئے اِدھر اُدھر جا پڑتے۔ ابا جی نے اس سلسلہ میں جو احوال سنایا،اس کے مطابق ان کے اوپر ایک بہت بڑا فانوس نصب تھا، حالانکہ تب ہمارے گھر میں بجلی ہی نہیں آئی تھی۔اس فانوس سے سبز رنگ کی روشنی نکلتی تھی جو آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔اسی روشنی کے ذریعے ان کی بہت سے بزرگوں سے ملاقات ہوئی۔ابا جی کے بقول ایک مرحلے پر انہیں خود علم ہو گیا تھا کہ ان کی جان نکل رہی ہے۔ٹانگوں سے بالکل جان نکل چکی تھی مگر پھر انہیں دنیا میں مزید(۳۶ سال)جینے کی اجازت مل گئی۔ابا جی کی زندگی کی یہ سنگین بیماری،جس کے باعث سارے عزیز ان کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے حقیقتاً کوئی بیماری تھی یا کوئی روحانی تجربہ تھا،میں اس بارے میں تو کوئی حتمی بات نہیں کر سکتا تاہم بعد میں ان کی زندگی میں خواب بینی،دم درود اور کشوف کا جو سلسلہ نظر آتا ہے وہ اسی تجربے سے ہی مربوط محسوس ہوتا ہے۔واللہ اعلم!

(خاکوں کے مجموعہ''میری محبتیں'' کے خاکہ''برگد کا پیڑ'' سے اقتباس)

دادا جی کا تجربہ قیامِ پاکستان سے پہلے کا ہے اور ابا جی کا تجربہ میری پیدائش سے سال بھر پہلے کا ہے۔ان دونوں تجربوں کے بارے میں سب سے زیادہ ابا جی سے معلومات ملیں اور مزید بابا جی(میرے تایا جی)،اور بوا حیات خاتون سے بھی معلوم کیں۔یہ دونوں واقعات میں نے اپنے دونوں بزرگوں کے خاکوں میں لکھ دیئے تھے۔یہ خاکے 1986 سے 1990 کے دوران لکھے

گئے اور میرے خاکوں کے مجموعہ ''میری محبتیں'' میں شامل ہیں۔جب میں یہ واقعات سن رہا تھا تب نہ تو میں نے ایسا سوچا تھا کہ کبھی انہیں لکھنے کی نوبت آئے گی اور نہ ہی ابا جی کے وہم وگمان میں تھا کہ میرے استفسار پر ان کا بیان کردہ یہ احوال کبھی باقاعدہ طور پر لکھ کر محفوظ کیا جائے گا۔مجھے ایسا کرنے کی توفیق ملی ہے تو اسے اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں۔

دادا جی اور ابا جی کے روحانی تجربوں کے بعد اب میں بھی ایسے ہی ایک تجربے سے گزرا ہوں۔اپنے تجربے کو میں دادا جی اور ابا جی کے تجربوں کا تسلسل سمجھتا ہوں۔انہیں کا ہی فیض سمجھتا ہوں کہ خدا نے ان کی وجہ سے مجھے بھی اس تجربے سے نوازا،اپنی محبت سے سرفراز کیا۔

جیسا کہ قارئین آگے چل کر پڑھ سکیں گے۔میرا تجربہ خواب نہیں جیتے جاگتے ،پورے ہوش وحواس کے ساتھ تھا۔اگر اسے کشف کی کوئی نادر صورت مان لیں تب بھی مجھے اپنا جسم اس میں پوری طرح شریک دکھائی دیا۔میں ایک ہی وقت میں اپنے سارے بچوں کے ساتھ بھی بات کر رہا تھا اور دوسری دنیا میں بھی موجود تھا۔بچے میری کیفیت کو میرا آخری وقت شمار کر رہے تھے۔میں بھی پہلے یہی سمجھا تھا لیکن دوسری دنیا میں پھر جو کچھ ہوا وہ چار دنوں پر پھیلا ہوا ایک انوکھا روحانی تجربہ بن گیا۔

میں نے آئندہ صفحات میں بھی بار بار لکھا ہے کہ میں سائنس اور جدید میڈیکل ترقیات کا معترف ہوں۔یہاں بھی اعتراف کر رہا ہوں۔دماغی خلل کی جو قسمیں بتائی جاتی ہیں وہ بھی بڑی حد تک درست ہیں۔ان بیماریوں کے دوش بدوش روحانی تجربات کا بھی ایک سلسلہ ہے جسے واضح طور پر اور الگ طور پر دیکھا اور پہچانا جا سکتا ہے۔جدید سائنس ابھی جہاں تک پہنچی ہے،اس سے آگے بھی ابھی بہت سارے جہان موجود ہیں۔بعض تک سائنس نے ابھی پہنچنا ہے اور بعض تک شاید پہنچ نہ سکے۔

میرے ساتھ جو کچھ ہوا اور میں نے اس دوران جو کچھ کہا اور کیا اس کی مختصر سی اور محتاط (جی ابھی محتاط) روداد پیش کر رہا ہوں۔میرے تجربے کی شدت اتنی ہے کہ سارے بچوں کے ساتھ اسے شئیر کرنے کے باوجود میں اسے اپنے قارئین کے لئے بھی لکھنے پر مجبور ہوں۔شاید یہ

میری پرانی عادت کا نتیجہ ہے کہ میں ایسے اسرار اور بھید اپنے تک نہیں رکھ پاتا۔مجھ میں انہیں سنبھال رکھنے کی ہمت نہیں ہے۔

میرا تجربہ،میرے دادا جی اور ابا جی کے تجربوں کا تسلسل ہے۔اس سلسلہ میں نعوذ باللہ نہ کوئی دعویٰ ہے اور نہ کسی سے کچھ منوانا ہے۔بس میری اوقات سے کہیں زیادہ مجھے ایک روحانی تجربہ نصیب ہوا اور میں نے چاہا کہ دلچسپی رکھنے والے دوست بھی اس میں شریک ہو سکیں۔

آپ میرے اس تجربے کے بارے میں جو بھی رائے قائم کریں،آپ کا حق ہے۔

حیدر قریشی

جرمنی سے۔۔۔

یکم اکتوبر 2020ء

ڈر ہے رازوں کے افشا کا موجب نہ بن جائے
حیدرؔ بھید بھرے دل کا اب چھید بھرا دل ہونا

بیماریوں کا حال

اپنی کتاب ”کھٹی میٹھی یادیں“ کے باب ”علتیں، علالتیں“ میں، مَیں نے اپنی بعض ان بیماریوں کا ذکر کیا ہے جو مجھے پاکستان میں لاحق تھیں۔ جرمنی پہنچنے کے بعد غالباً 1996ء میں مجھے شوگر کی بیماری ہوئی۔ پھر 2009ء کے اکتوبر تک دل کی تکلیف ہو گئی۔ وقفے وقفے سے چار بار انجیو گرافی اور انجیو پلاسٹی۔۔۔اور ایک بار صرف انجیو گرافی کرانا پڑی۔ بار بار سٹنٹ ڈالے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر نے ایک بار پھر سرجری کے لیے کہا لیکن اس بار میں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا اوپن ہارٹ سرجری بے شک کر لیں لیکن مزید سٹنٹ بازی اب نہیں۔ پھر میں نے دل کے لیے ایک سیرپ کا دیسی نسخہ استعمال کرنا شروع کیا اور اب دس سال ہو چکے ہیں، دل کے معاملے میں خیریت ہی خیریت ہے۔ الحمدلِلہ۔ اس کا کافی سارا حال یادوں کے باب ”لبیک الّٰلھم لبیک“ میں لکھ چکا ہوں۔ مبارکہ کی مسلسل اور سنگین بیماریوں کے دوران میرا زیادہ وقت ان کا خیال رکھنے میں گزر جاتا تھا۔ میرے صحت کے معاملات نارمل ہی تھے۔ 27 مئی 2019ء کو مبارکہ کی وفات کے بعد کے چند مہینے بجھے بجھے سے گزرے تاہم کوئی نئی بیماری نہیں ہوئی تھی۔

اب 17 فروری 2020ء سے 19 اگست 2020ء تک بیماریوں کی ایسی یلغار ہوئی کہ اس عرصہ کے دوران پانچ بار ایمبولینس بلانا پڑی اور ایک بار بیٹا خود ہسپتال لے کر گیا۔ عمر گزرنے کے ساتھ صحت کے مسائل بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ میری بیماریاں بھی صرف اسی حد تک ہوتیں تو مجھے ان کا حال لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ تھوڑا بہت لکھنا پڑتا تو یادوں کے کسی نئے باب میں یا الگ مضمون میں کچھ ذکر کر دیتا۔ لیکن اس دوران چند دنوں پر محیط ایسا تجربہ ہوا کہ میرے لیے اس کو قدرے تفصیل سے لکھنا ضروری ہو گیا۔

پہلے مذکورہ بیماریوں کے سلسلہ میں بار بار ہسپتال جانے کا مختصر بیان۔۔۔

بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ بھوک بالکل نہیں لگ رہی تھی۔ 17 فروری کو طبیعت اتنی خراب ہوئی کہ ایمبولینس بلانا پڑی۔ ایمبولینس والے Badsoden باڈزودن شہر کے ہسپتال میں لے گئے۔ مختلف ٹیسٹ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ میرے بائیں گردے کو ٹیومر نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ اگر گردے کو نکال دیا جائے تو جسم کے دیگر اعضاء تک ٹیومر نہیں پہنچ سکے گا۔ میں نے آپریشن کے لیے رضامندی ظاہر کر دی تو 20 فروری کو مجھے ہسپتال سے چھٹی دے دی گئی۔ آپریشن کے لیے 27 فروری کی تاریخ طے ہوئی۔ گھر پہنچنے کے دو دن بعد ہی مجھے اپنا ہاتھ سُن ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ بچوں کو بتایا تو انہوں نے پھر ایمبولینس بلا لی۔ پہلے باڈزودن والے ہسپتال لے جایا گیا ابتدائی تشخیص کے بعد وہاں سے Höechst ہوئیسٹ کلینک میں بھیج دیا گیا۔ وہاں ہر طرح کے ضروری ٹیسٹ کرنے کے بعد مجھے فالج کے کسی امکانی حملے سے کلیئر قرار دے دیا گیا اور 26 فروری کو باڈزودن کے ہسپتال میں واپس بھیج دیا گیا، جہاں 27 فروری کو میرا بایاں گردہ نکالنا طے تھا۔

ہوئیسٹ کلینک کی ایک اہم بات یہ رہی کہ یہاں میرا MRT ٹیسٹ خیر و خوبی سے ہو گیا۔ یہ کوئی آسان مرحلہ نہیں تھا۔ چند سال پیشتر مجھے میرے ڈاکٹر نے دو بار اس ٹیسٹ کے لیے اسی کلینک میں بھیجا تھا لیکن میں نے باہوش و حواس اس ٹیسٹنگ تابوت میں جانے سے انکار کر دیا۔ دوسری بار مجھے نیند کی گولی دے کر ٹیسٹ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن میں جاگ رہا تھا سو پھر انکار کر دیا۔ یہ الگ بات کہ گھر جا کر چوبیس گھنٹے تک سوتا رہا۔ دراصل گولی دینے کے بعد میرے سو جانے کا انتظار کیا جانا چاہئیے تھا جو نہیں کیا گیا۔ اس بار جو پھر MRT کے لیے کہا گیا تو چھوٹا بیٹا ٹیپو (طارق) میرے پاس موجود تھا۔ ڈاکٹر کو اس نے میرے اصل مسئلے کا بتایا تو طے ہوا کہ گولی دینے کے بعد مجھے نیند آنے تک انتظار کیا جائے گا اور تب تک ٹیپو بھی وہاں موجود رہے گا۔ یہ ترکیب کامیاب رہی۔ ٹیپو نے جب تسلی کر لی کہ میں سو گیا ہوں تو تب میرا ایم آر ٹی ٹیسٹ کر لیا گیا۔ ویسے اس کے بعد فروری تا اگست دورانیہ کے ایک اور موقعہ پر جب باڈزودن میں میرا ایک اور ٹیسٹ طے پایا تو وہ لوگ ٹیپو کی موجودگی پر راضی نہ ہوئے اور مجھے نیند نہیں آئی۔ چنانچہ یہ ٹیسٹ بھی نہیں

ہونے دیا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق 27 فروری کو میرے بائیں گردے کو آپریشن کر کے نکال دیا گیا۔ آپریشن کے بعد ٹیپو وہاں پہنچا تو میں بے ہوش تھا۔ ڈاکٹر نے ٹیپو کو اجازت دی کہ وہ اندر جا کر مجھے دیکھ لے اور تھوڑی بہت بات بھی کر لے۔ ٹیپو نے مجھ سے میری خیریت دریافت کی۔ ایسے لگتا تھا جیسے ٹیپو کہیں دور سے بول رہا ہے۔ میں نے مدھم سی آواز میں جواب دیا۔ اسے تسلی ہو گئی۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ ٹیومر 10.5 cm سائز کا تھا۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد گھر آ گیا۔

8 مارچ کو طبیعت پھر بگڑ گئی۔ پھر ایمبولینس بلائی گئی۔ اس بار انفلوئنزا اور نمونیہ دونوں کا اٹیک ہوا تھا۔ جرمنی سمیت دنیا بھر میں کورونا زوروں پر تھا، ایسے وقت میں انفلوئنزا اور نمونیہ ہونے کے باوجود اللہ نے کورونا سے محفوظ رکھا۔ دونوں بیماریوں سے ہفتہ بھر میں نجات مل گئی اور 16 مارچ کو پھر گھر واپس آ گیا۔

تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد بھوک نہ لگنے کا مسئلہ پھر تنگ کرنے لگا۔ طبیعت بگڑنے لگی۔ 26 جون کو پھر ایمبولینس بلانا پڑی۔ تشخیص میں کافی تگ و دو کے بعد معلوم ہوا کہ ٹیومر نے جگر کو بھی پچ کر لیا ہے۔ تین جولائی کو کینسر کے ایکسپرٹ ڈاکٹر کے پاس بھیجتے ہوئے مجھے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔ اُس دن اسی لوکیشن میں ایک کنسلٹنٹ کے ساتھ بھی اپائنٹمنٹ تھی۔ ٹیپو نے ہمت کر کے دونوں اپائنٹمنٹس کے اوقات میں ایڈجسٹمنٹ کی۔

ڈاکٹر نے کچھ بھی چھپائے بغیر بتایا کہ ہم دو تھراپیاں شروع کریں گے۔ کیمو تھراپی روزانہ ہوگی اور صبح شام ایک ایک گولی لینے کی صورت میں ہوگی۔ گولی کا نام ہے Inlyta 5 mg ۔ امیون تھراپی ڈرپ کے ذریعے ہوگی اور ہر 21 دن کے بعد ہوگی۔ اس کے لیے طریق کار یہ ہے کہ میرے پہنچنے کے بعد پہلے میری طبیعت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ بالکل ٹھیک ہوں تو پھر ایک فرم کو امیون تھراپی کے لیے تازہ ڈرپ تیار کرنے کا فون کیا جاتا ہے۔ بیس منٹ تک ڈرپ پہنچ جاتی ہے اور پھر بیس پچیس منٹ تک تھراپی مکمل ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر نے سب کچھ سمجھانے کے ساتھ یہ بتایا کہ دونوں تھراپیوں کا مجموعی خرچہ دس ہزار یورو ماہانہ ہے اور سارا خرچہ جرمنی کے میڈیکل سسٹم کے

مطابق ادا ہوگا اور یہ کہ اس میں مجھے خود سے کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑے گا۔ مزید یہ بھی کہ ڈرپ والی تھراپی کے لیے مجھے ہر بار ٹیکسی لینے آئے گی اور پھر گھر چھوڑ کر آئے گی۔ اس کا خرچہ بھی یہاں کا میڈیکل سسٹم ادا کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ایک سال کے لیے ٹیکسی کا لیٹر بنا کر دے دیا گیا جو مجھے ٹیکسی فرم کو جمع کرانا تھا۔ سو تب ہی جمع کرا دیا تھا۔

پہلی امیون تھراپی کے لیے 6 جولائی کی تاریخ طے ہوگئی۔ یہ سب جان کر دل اللہ کی شکر گزاری سے بھر گیا۔ بار بار اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر جرمن نظامِ حکومت کو دعا دی جس نے ہمیں کسی مطالبے کے بغیر اتنا کچھ دے دیا تھا۔ جرمنی والو! آپ کا، آپ کے سسٹم کا شکریہ۔۔۔ پاکستان میں ہوتے اور یہ صورتِ حال درپیش ہوتی تو ہم تو ایک تھراپی کا خرچہ بھی ادا کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

کنسلٹنٹ صاحبہ سے ملاقات ہوئی تو وہ کینسر کے خطرات سے آگاہ کرنے کے ساتھ حوصلہ دینے لگیں۔ کچھ اگلے جہان کی باتیں کیں۔ یہ لوگ کینسر کے مریضوں کو امکانی صورتوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ نفسیاتی طور پر تسلی بھی دیتے ہیں اور ہمت بھی دلاتے ہیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر سیدھے بڑے بیٹے شعیب کے گھر پہنچے، وہاں باقی بچے بھی پہنچ گئے تھے۔ باقی کا سارا دن گہما گہمی رہی۔ رات کو گھر پہنچے۔ اگلے تین دن آرام سے گزر گئے۔ اس دوران سارے عزیز و اقارب اور خاص احباب کو درپیش صورتِ حال سے آگاہ رکھا ہوا تھا۔ 6 جولائی کو میری پہلی امیون تھراپی ہوئی۔ 6 اور 7 جولائی کی درمیانی شب عجیب ماجرا ہوا۔ جدید ادب کی خان پور کے زمانے کی ایڈیٹر، معروف شاعرہ فرحت نواز نے مجھے سات جولائی کو دن میں واٹس ایپ کے ذریعے لکھا:

’’رات میں نے خواب دیکھا ہے، آپ مبارکہ کو مجھ سے ملوانے کے لئے لاتے ہیں۔ بہت لمبی ڈارک براؤن یا بلیک چادر میں لپٹی ہوئی اور خاص طور پر منہ پر چادر کو نیچے تک لٹکا کر چہرہ چھپایا ہوا۔ یہ واضح محسوس ہو رہا ہے کہ دنیا سے چھپ رہی ہیں اور آپ کو بیماری میں تسلی دینے آئی ہیں۔ اپنے چہرے سے چادر اٹھا کر ملتی ہیں۔ ہم دونوں میں جو باتیں ہوتی ہیں ان کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ ہاں میں ان کو تسلی دینے آئی ہوں۔ موڈ خوشگوار ہوتا ہے۔ ہنستی بھی ہیں۔ پھر ہماری باتوں کے

دوران محسوس ہوتا ہے کہ وہ جانے لگی ہیں۔

میں کہتی ہوں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔۔آپ وہاں خوش ہیں نا،

جنت میں مقام اونچا ہے نا۔۔۔۔ہنس کر کہتی ہیں ہاں ہاں۔۔پھر اپنے دونوں ہاتھ ملنے والے انداز میں سامنے پھیلا دیتی ہیں۔ ہاتھوں کے درمیان تھوڑا فاصلہ ہوتا ہے۔ میں ان دونوں ہاتھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیتی ہوں اور کہتی ہوں، آپ نے اپنے میاں کے لئے دعا کرنی ہے۔

ہاں ہاں۔

میرے بچوں کے لئے بھی، میرے لئے بھی،

(ہنستے ہوئے) ہاں ہاں

ان سے گفتگو کے دوران ان کا چہرہ بھی چادر میں رہتا ہے۔ میں چادر اٹھا کے ہی بات کرتی ہوں۔ اور ہم دونوں کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ وہ دوسری دنیا سے آئی ہوئی ہیں۔ ہمارے مل لینے کے بعد آپ لپٹی لپٹائی مبارکہ کو کندھے سے پکڑ کے پیچھے کو چل پڑتے ہیں، مجھے یہ کہہ کر کہ میں مبارکہ کو واپس چھوڑ آؤں۔

اور پھر میں نے آپ کو بہت فاصلے پہ اپنا شیونگ کِٹ اٹھاتے دیکھا۔

میں اسی جگہ کھڑی خواب میں ہی سوچ رہی ہوں کہ اب آپ نے ٹھیک ہو جانا ہے۔ ان شاءاللہ۔

میری آنکھ کھلی تو سامنے کلاک پہ پورے تین بج رہے تھے۔''

فرحت نواز کے اس خواب کے ساتھ عجیب بات یہ ہے کہ اسی رات اور جرمن وقت کے مطابق اڑھائی بجے (پاکستان کے ساڑھے پانچ بجے صبح) میں نے خواب دیکھا کہ پرانی اور بوسیدہ سی کسی عمارت میں ایک تنگ سے کوریڈور سے میں آگے جانا چاہتا ہوں لیکن ایک بدمعاش جو نہایت تگڑا اور لمبے قد کا ہے میرا رستہ روکے کھڑا ہے۔ وہ مجھے مارنا چاہتا ہے یا نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور میں اس سے دل ہی دل میں ڈر بھی رہا ہوں۔ پھر یکایک نہ صرف وہ بدمعاش غائب ہو گیا بلکہ دیکھا کہ میں تنگ کوریڈور کی بجائے کسی عمارت کی کھلی چھت پر کھڑا ہوں۔ وہیں سے ٹہلتے ہوئے میں ایک دوکان پر جاتا ہوں۔ وہاں سے دو لڈو لیتا ہوں اور انہیں کھانے لگتا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ دونوں خوابوں کی تعبیریں از خود ظاہر ہیں اور کینسر سے میری نجات اور شفایابی کی تسلی دیتی ہیں۔ ہاں فرحت کے خواب میں میرے شیونگ کٹ اٹھانے سے میں نے یہ مراد لیا کہ زندگی معمول پر آ جائے گی۔ باقی واللہ اعلم۔ (ویسے زندگی معمول پر آ تو چکی ہے)۔

بے شک اللہ تعالیٰ جب چاہے اپنے گنہگار اور کمزور بندوں کو ہر طرح سے تسلی دے دیتا ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

پہلی امیون تھراپی 6 جولائی کو ہوئی۔ اس کے بعد بیماری یا دوا کا کوئی ری ایکشن سامنے نہیں آیا۔ 15/16 جولائی کو مجھے ہچکی لگ گئی۔ جب ہچکی رُکنے میں نہیں آئی تو 19 جولائی کو پھر ایمبولینس بلا لی۔ ہسپتال میں جا کر مشکل یہ ہوئی کہ جب کوئی ڈاکٹر وزٹ پر آتا تو ہچکی بند ہو جاتی اور بعد میں پھر شروع ہو جاتی۔ مختلف ٹیسٹ ہوتے رہے۔ آخر ایک الٹرا ساؤنڈ کے دوران لگا تار ہچکی شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں اسے خاص اہمیت دی اور پھر اس کے علاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک گولی Baclofen تجویز کی گئی اور مفید ثابت ہوئی۔ 23 جولائی کو ہسپتال سے چھٹی مل گئی۔ ٹیپو مجھے لینے آیا تھا۔ یہاں سے ہم گھر جانے کی بجائے بڑی بیٹی رضوانہ کے گھر چلے گئے۔ وہاں باقی بچے بھی پہنچ گئے۔ رات کافی دیر کو گھر پہنچے۔ اگلے دن کچھ آرام کیا اور پھر آنے والے بچوں کو وزیر آغا کی ایک نظم سنائی۔ لیکن 24 جولائی سے 31 جولائی تک کا احوال بعد میں۔۔۔ کیونکہ وہی تو اصل روداد ہے۔

یکم اگست سے پانچ اگست تک مجھے معمول سے زیادہ پیشاب آنے لگا اور میری تمام تر کوشش کے باوجود زیادہ تر سلوار میں ہی نکلنے لگا۔ دوسری طرف قبض کی شکایت ہو گئی۔ پانچ اگست کو شام تک پھر ایمبولینس بلانا پڑ گئی۔ ایمبولینس والوں نے پہلے فوری چیک اپ کرنا شروع کیا۔ اتفاق سے میرا ٹمپریچر 38 سے کچھ اوپر نکلا۔ عین اسی وقت مجھے عمر کے تقاضے والی کھانسی آ گئی۔ اب وہ لوگ کہنے لگے کہ باقی معاملات بھی دیکھتے ہیں لیکن پہلے کورونا ٹیسٹ ہو گا۔ یک نہ شد دو شد۔ اس بار ایمبولینس مجھے باڈ زودن شہر کے ہسپتال کی بجائے ہوئیسٹ کے ہسپتال میں لے گئی۔ وہاں کورونا کے ٹیسٹ کا فوری انتظام موجود تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مجھے رات بھر میں ہی چیک کر

لیا گیا اور صبح کے ناشتے سے پہلے سٹیشن B-25 کے کمرہ نمبر 58 میں شفٹ کر دیا گیا۔ چند دنوں کے بعد کمرہ نمبر 52 میں بھیج دیا گیا۔ یہاں اب میں اکیلا نہیں تھا۔ ایک اور مریض بھی موجود تھا۔ ان دونوں کمروں کا کچھ حال آگے چل کر ''بعد تک روحانی تجربے کے اثرات'' میں بیان کروں گا کیونکہ اس کا تعلق بھی اس خاص تجربے سے ہے۔

یہاں یہ بتا دوں کہ 17 فروری سے لے کر 19 اگست تک متعدد ٹیسٹ لیے گئے۔ بعض ٹیسٹ مختلف اوقات میں ایک سے کئی بار زیادہ لیے گئے۔ اینڈوسکوپی، کولونوسکوپی، سونوگرافی، الٹرا ساؤنڈ، سی ٹی سکین، ایم آر ٹی، ای سی جی، خون کے مختلف اور متعدد ٹیسٹ، اور نہ جانے کون کون سی گرافیاں اور سکوپیاں۔۔۔ گردے کے بعد لیور میں ٹیومر ملنے سے پھر دیگر اعضاء میں ٹیومر کی تلاش شروع کر دی گئی، اس سلسلے میں دل کے اندر کا حصہ تو ٹھیک تھا لیکن ایک چیک اپ ہوا جس میں دل اور اس کی شریانوں کے باہر کے حصہ کو بھی دیکھا گیا۔ وہ حصہ بھی صاف نکلا۔ اسی رات جن بھائی، بہنوں اور احباب نے اس ٹیسٹ کی بابت پوچھا میں نے ایک ہی جواب دیا۔ میرا دل اندر سے بھی ٹھیک تھا اور اب باہر سے بھی ٹھیک نکلا ہے۔ ثابت ہوا میرا دل اندر اور باہر سے ایک جیسا ہے۔

یورین انفیکشن کے سلسلہ میں تین ٹیسٹ ہوئے۔ یہ پہلے ہونے والے ٹیسٹوں سے مختلف تھے۔ ان کے نام بھی یاد نہیں۔ چھ اگست سے 19 اگست تک یورین انفیکشن کا علاج ہوتا رہا۔ دیگر میڈیسنز کے علاوہ چودہ دن تک تین وقت روزانہ اینٹی بایوٹک کی ڈرپیں لگتی رہیں۔ 19 اگست کو طبیعت سنبھلنے پر چھٹی دے دی گئی۔ چند دن کمزوری دور ہونے میں لگے اور پھر میں گھر کے اندر تھوڑا بہت چلنے پھرنے لگا پھر قریبی مارکیٹ تک جانے لگا اور اب قریبی قبرستان تک بھی آہستہ آہستہ سہی لیکن چکر لگا لیتا ہوں۔ وہاں مبارکہ کی قبر پر دعا کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔

کیموتھراپی کی ٹیبلٹس تو میں خود ہی صبح شام لے لیتا ہوں۔ امیون تھراپی کے لیے ہر 21 دن کے بعد جانا ہوتا ہے۔ پہلی تھراپی 6 جولائی کو ہوئی، دوسری تھراپی 27 جولائی کو، تیسری تھراپی 17 اگست کو ہونی تھی لیکن چونکہ میں ہسپتال میں داخل تھا اس لیے ڈاکٹر نے فون کر کے تھراپی کے

لیے 27 اگست کی تاریخ لے لی۔ یہ تھراپی ہو گئی۔ چوتھی تھراپی 17 ستمبر کو ہوئی۔ اور ۔۔۔ یہ تھراپیوں کی گنتی اس لیے کر رہا ہوں کہ ان کا حوالہ بھی آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ۔ کینسر کا علاج اور تھراپیاں ابھی جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کامل شفا ملنے کی پوری امید ہے۔
ویسے جو اس کی مرضی!

راضی ہوں تیری مرضی پر لیکن بھید کھلے بھی
تیری مرضی کیا ہے یارا، کچھ تو کھل کر بول

خصوصی حال

اب 24 جولائی سے 31 جولائی تک کا خصوصی حال بیان کرتا ہوں ۔ پس منظر اور منظر دونوں کے ساتھ۔

میں نے اپنے جاننے والے مختلف لوگوں کے ذریعے بھی معلومات حاصل کی اور خود بھی بعض لوگوں سے پوچھا جو کینسر کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور پھر صحت یاب ہو گئے ۔ان کا جرمنی، آسٹریلیا اور پاکستان سے تعلق ہے۔ان میں سے بیشتر نے اس سے ملتا جلتا حال بتایا کہ طبیعت میں بے چینی اور گھبراہٹ ہوتی تھی۔خوامخوہ غصہ بھی آتا تھا اور بعض مریض تشدد پر بھی اتر آتے تھے۔

کیا کسی کو کوئی ایسا تجربہ ہوا جسے روحانی تجربہ کہا جا سکے یا اس سے ملتا جلتا کوئی خوشگوار احساس ہو تو ایسی کوئی مثال نہیں مل سکی۔ممکن ہے کہیں اور ایسے لوگ مل جائیں۔

6 جولائی کو پہلی تھراپی بالکل نارمل رہی۔ہچکی کی تکلیف ہوئی۔اس کے علاج کے بعد 25 جولائی تک سب کچھ معمول کے مطابق رہا۔ 23 جولائی کا دن میرے لیے دو تین وجہ سے خوشی کا دن تھا۔ہسپتال سے چھٹی ملی تھی۔ یہ دن رضوانہ کا یومِ ولادت تھا،اور اسی دن مجھے ڈاکٹر وسیم انجم صاحب کا فیس بک سے ایک تراشہ ملا تھا جس میں انہوں نے خبر دی تھی کہ نازیہ خلیل عباسی کا ''فرحت نواز کی ادبی خدمات'' کے موضوع پر ایم فل کا مقالہ باضابطہ طور پر منظور کر لیا گیا ہے۔یہ میرے لیے بے حد خوشی کی خبر تھی۔''جدید ادب'' خان پور کے زمانے میں میرے خان پور کے تین خاص ادبی دوست ایک سال کے بعد ہی مجھے چھوڑ گئے تھے۔ان کا خیال تھا کہ میں ان کی وجہ سے کچھ مشہور (مشہور؟) ہونے لگا ہوں۔تب صرف فرحت نواز ہی تھیں جنھوں نے ''جدید ادب'' کے آخر دَم تک ساتھ نبھایا۔آج فرحت نواز پر ایم فل کا مقالہ منظور ہو گیا تھا جبکہ ساتھ چھوڑ جانے والے دوست جو سب صاحبِ حیثیت بھی تھے،ابھی تک اس اعزاز سے خالی ہیں۔خوشی کی اس

سے بھی اہم وجہ یہ تھی کہ 1980 میں کسی غیر ادبی بندے نے ایک بڑا بول بولا تھا۔آج اس کی تلافی ہو گئی تھی۔فرحت نواز نے تب ''ڈاکٹر وزیر آغا دیاں چونڑویاں نظماں'' کے نام سے 80 صفحات کی ایک مختصر سی اور غیر مجلد کتاب مرتب کی تھی۔اس میں وزیر آغا صاحب کی چند نظموں کا سرائیکی ترجمہ شائع کیا گیا تھا۔اس کتاب میں وزیر آغا صاحب کی ایک نظم ''ہوا اگر میرا روپ دھارے'' کا ترجمہ احمد پور شرقیہ کے معروف شاعر مظہر مسعود صاحب نے کیا تھا۔اس میں اردو نظم کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے آزاد ترجمہ کیا گیا تھا۔مجھے یہ ترجمہ اصل نظم سے زیادہ خوبصورت لگا تھا۔یہ چالیس سال پہلے (1980ء) کی بات ہے۔تب ایک ''زمین دار صاحب'' نے کتاب دیکھی تو بڑی حقارت سے کہا یہ کیا ہے؟اسے آپ ادب کی خدمت سمجھتے ہیں؟

انھیں تو تب میں نے مناسب جواب دے دیا تھا لیکن ان کا حقارت آمیز لہجہ دیر تک دکھی کرتا رہا۔اب جو فرحت نواز پر لکھے گئے مقالہ میں ان کی مرتب کردہ کتاب ''ڈاکٹر وزیر آغا دیاں چونڑویاں نظماں'' کا بھی خاص ذکر ہوا ہے تو مجھے دلی خوشی ہوئی ہے۔میں نے ایک دوست کو لکھا ہے کہ ان ''زمیندار صاحب'' کو میری طرف سے یہ خبر بتا دیں اور ساتھ یہ بھی بتا دیں کہ ایم فل کیا ہوتا ہے۔تو یوں میں بے حد خوش تھا۔

24 جولائی کو اسی لہر میں وزیر آغا صاحب کی نظم کا سرائیکی ترجمہ ''ہوا وٹا وے جے ولیس میڈا'' پڑھنا شروع کر دیا۔پھر جو بچہ بھی ملنے آیا میں اسے یہ ترجمہ سنانے لگتا اور ساتھ بعض سرائیکی الفاظ کا مطلب بھی بتلاتا جاتا۔25 جولائی کو ٹیپو نے چھوٹی بیٹی مانو کے ہاں جانے کا پوچھا تو میں فوراً راضی ہو گیا۔اور بیٹی کو فون پر بتا دیا کہ میں نظم سنانے آ رہا ہوں۔چنانچہ اس کے گھر گئے اور یہ نظم سنائی۔

بیماریوں کے لگاتار حملوں کے باعث انتہائی نقاہت ہو گئی تھی۔یہ نظم پڑھتے ہوئے مجھے ہر بار ایسے لگتا کہ یہ نظم میری حالت اور کیفیات کو بیان کر رہی ہے۔موت کی علامت ہوا جب تک مجھ پر جارحانہ حملے کرتی رہے گی میں نہیں مروں گا لیکن اگر وہ میرے پاس محبت کے ساتھ آئے تو میں اپنا آپ ہار دوں گا اور ہنستے ہنستے جان دے دوں گا۔

مظہر مسعود صاحب کی ترجمہ کردہ نظم یہاں بھی درج کیے دیتا ہوں۔

ہوا اگر میرا روپ دھارے   از   ڈاکٹر وزیر آغا

سرائیکی ترجمہ: ہوا وٹاوے جے ویس میڈا   از   مظہر مسعود

ہوا حیران تھی ویندی اے جیندا ڈیکھ تے میکوں
میڈے بُتھے بدن وچ پوڑ تے سانگاں اکھیندی اے
''تُوں ساہ حالی وی گھِندا پئیں؟''
ہوا کوں کیا ڈسانواں میں
جو میڈے ساہ تاں بس ہک وہم ہِن
ہُن ہک برابر ہِے میڈا ہوون تے نہ ہوون
ہزاراں کالیاں، سُکیاں، بگُھیاں جِلماں
میڈے بوتے کوں چنبڑیاں پِن تے پیندیاں پِن لہو میڈا
بدن میڈا انجڑ داپئے، سُکڑ داپئے

میں کماندے سُکدے ون دا چھیکڑی بے رنگ پتّا ہاں
میڈا اتھر کاٹ میڈا ائیں
ہلارا خود ہوا دا ہِے
ہوادا آپنا پھوکا میکوں آدے ہلا ڈیندے

میں
اکھی جے لیسواں پتھر ہاں
اندھے کھوہ دی گَنی تے

ذری اٹکیا کھڑاں، ڈردا کھڑا ہاں
ہوا دے ہک اشارے نال ڈھیہ پوساں

ہوا کوں کیا ڈسانواں
میں سپاہی ہم جری کتنا، نڈر کتنا
مگر ساری دلیری اپنے اُتے آزما بیٹھاں
لہو اپنا ونڈا بیٹھاں، کھنڈاں بیٹھاں
ایہ سب کجھ ہے مگر ول وی
میڈا رشتہ حیاتی نال قائم ہِے
میں اینویں مَر نہی سگدا،
میں اینویں ہَر نہی سگدا،
ایہ بئی گالھ اے
کیتھس بدلاں دے اولے تھی
وٹا تے ویس میں وانگے
ہوا میڈے کِنے آوے
ذری کھِل تے چا آکھے
''اَپنیاں دے نال وی کڈھ پا۔۔
بھلا اپنیاں کِنوں کیا ڈر؟''
تاں کھِل پوساں
میں اپنا آپ ہَر ویساں
میں کھِلدیں کھِلدیں مَر ویساں!

----

24 اور 25 جولائی کی درمیانی شب عجیب ماجرا ہوا۔ رات کو جب بھی پیشاب کرنے کے لیے اُٹھتا، وضو کر کے باہر نکلتا اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے لگتا۔ مجھے تب بھی نہیں معلوم تھا، اب بھی معلوم نہیں کہ میں عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا، تہجد پڑھ رہا تھا یا فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ ہاں اتنا احساس تب بھی تھا کہ میں نماز پڑھتے پڑھتے کرسی پر ہی ہلکا سا لڑھکتا تھا اور پھر سنبھل جاتا تھا۔ 25 جولائی کا دن معمول کے مطابق گزر گیا۔ 26 جولائی کو دن میں گزشتہ شب کی نیند پوری کی۔ اس دوران شام پانچ بجے کے قریب دوسرا بیٹا عثمان گھر میں آیا، اس نے مجھے آواز دی لیکن میں گہری نیند میں تھا۔ چنانچہ وہ ڈرائنگ روم میں جا کر صوفہ پر سو گیا۔ آٹھ بجے کے لگ بھگ میں پیشاب کے لیے ہڑبڑا کر اُٹھا تو کچھ لڑکھڑاہٹ محسوس ہوئی۔ دیوار کو تھام کر باتھ روم تک گیا تو سلوار اتارتے اتارتے اس میں کچھ پیشاب نکل گیا تھا۔ میں نے طہارت کی تو بہت سارا پانی باتھ روم کے فرش پر بہہ گیا، مزید یہ ہوا کہ لوٹا بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا، سلوار کو وہیں چھوڑا اور شدید نقاہت کے باعث صرف قمیص کے ساتھ ہی اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ کافی دیر کے بعد نئی سلوار تبدیل کی۔ اس دوران چھوٹی بیٹی درِثمین (مانو) نے مجھے فون کیا تو اس کے بقول میں نے اسے کہا کہ باتھ روم جاتے ہوئے میرا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ (یہ بات نہ مجھے یاد ہے اور نہ ہی عثمان نے یہ بات سنی۔ نہ ہی میرے سر پر کسی طرح کی چوٹ کا نشان تھا، تاہم مانو نے سنا تھا تو درست سنا تھا) اس نے فوراً عثمان کو فون کیا کہ آپ کہاں ہیں؟ ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔ اس نے بتایا کہ میں ابو کے گھر میں ہی ہوں۔ مانو کے بتانے پر عثمان میرے کمرے میں آیا۔ تاہم تب تک حالت بہتر ہو چکی تھی۔ عثمان کچھ دیر رُک کر پھر ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد ہی میں نے عثمان کو آواز دی۔ وہ آیا تو اسے کہا کہ مانو اور رضوانہ کو فون کرو فوراً آ جائیں، پھر شعیب کو بھی یہی پیغام بھجوایا۔ ٹیپو شام کو اپنے چند دوستوں کے ساتھ دو روزہ ٹرپ پر نکلا تھا۔ چار گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا۔ اسے بھی پیغام بھیجا کہ واپس آ جاؤ۔

مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ میں اب آخرت کے سفر پر جا رہا ہوں۔ رضوانہ، شعیب، عثمان، درِثمین سب اپنے بیشتر بچوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ ٹیپو کے دونوں بچے بھی پہنچ گئے۔ ٹیپو رات

کو تین بجے پہنچ گیا۔ سارے بچے اور بچوں کے بچے، بہو، داماد سب موجود تھے۔ اب میرے پلنگ کے اردگرد سارے بچے تھے۔ پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسی میں سے بعض تو میرے پلنگ پر آ گئے۔ ایسی خوبصورت صورتِ حال میں تو بندہ ''مُر دن موقوف'' کہہ کر اُٹھ بیٹھتا ہے۔

میری ظاہری کیفیت دیکھ کر سارے بڑے بچے سہمے ہوئے تھے اور میں مسلسل مسکرا رہا تھا۔ (ہنس نہیں رہا تھا، مسکرا رہا تھا)۔ میں نے بچوں کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو! میں کس طریقے سے دوسری دنیا میں جا رہا ہوں۔ کیا کسی کو اس طرح مسکراتے ہوئے مرتے دیکھا ہے؟

موت کا رنگ برحق، مگر نہ موت کا خوف، نہ کوئی گھبراہٹ، نہ نزع کی تکلیف، بس ایک مسکراہٹ، لبیک الٰھم لبیک۔۔۔ آپ سب کو تو اس بات پر مطمئن ہونا چاہئے کہ ہمارا باپ اس انداز سے اپنے خدا کے پاس جا رہا ہے۔ میں بچوں کو تسلی دینے کے لیے یہ باتیں کر رہا تھا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ بچوں نے زیادہ رونا شروع کر دیا۔

پھر میں نے دیکھا کہ میں عالمِ بالا میں پہنچ گیا ہوں۔ میرا جسم بستر پر پڑا ہے مگر میں دوسری دنیا میں پہنچا ہوا ہوں۔ میں وہیں سے بول رہا ہوں اور اپنے بچوں کو وہاں کا حال بتا رہا ہوں۔ پہلے مرحلے میں یہ حال مختصراً بتایا تھا۔ اس کے بعد میں نے، بستر پر پڑے ہوئے میں نے بالکل معصوم بچوں جیسی مسکراہٹ اور حیرت کے ساتھ کہنا شروع کر دیا۔

میں تو اپنے خدا سے بہت پیار کرتا ہوں لیکن مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ میرا پیارا خدا مجھے اتنا پیار کرتا ہے۔ ''اتنا'' کو میں بچوں کی طرح لمبا کر کے بے حد حیرانی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ میں نے یہ جملہ بار بار کہا اور پھر اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر کا ورد شروع کر دیا۔ اللہ اکبر کہتے ہوئے میں اپنے سینے پر ہاتھ مارتا تھا۔ اللہ اکبر کے بعد میں نے سورۃ الم نشرح پڑھنا شروع کر دی۔ اور بار بار پڑھتا رہا۔ اس کی ان آیات کو پھر میں ایک سے زائد بار دہرانے لگتا۔

وَرَفَعنَا لَکَ ذِکرَک. فَاِنَّ مَعَ العُسرِ یُسرَا. اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسرَا.

یہ آیات پڑھتے ہوئے میں اپنے دونوں بازو اٹھا کر پھر گدے پر اس طرح مارتا تھا جیسے بچے صوفے پر یا بیڈ پر جمپنگ کرتے ہیں۔ بچوں جیسی ہی خوشی تھی اور بچوں جیسی مسکراہٹ تھی۔

اس کیفیت کی اور بعد کی کیفیات کی جو باتیں لکھنے والی ہیں میں لکھ رہا ہوں۔بعض باتیں جو لکھنے والی نہیں ہیں میں نے بچوں کی مختلف جوڑیوں کو بتائی ہیں۔مثلاً کچھ باتیں رضوانہ اور درِثمین کو، کچھ باتیں ٹیپو اور رضوانہ کو، کچھ باتیں ٹیپو اور مانو کو۔ پھر بعض باتیں صرف رضوانہ کو اور بعض باتیں صرف شعیب کو اور چند باتیں صرف عثمان کو۔ یہ باتیں بتاتے ہوئے میں نے انہیں کہا کہ یہ صرف آپ تک امانت ہیں۔ بعد میں بے شک خاندان کے دوسرے بچوں کو بھی بتا دیں لیکن صرف خاندان تک رکھیں۔ یہ کہہ کر میں نے بعض بچوں کو یہاں تک کہا کہ ان باتوں کو دوسروں تک پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے میں ننگا ہو جاؤں۔ان باتوں کا پردہ بہت ضروری ہے۔ان باتوں کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں لیکن انہیں صرف خاندان کے لیے امانت سمجھیں۔سو مجھے ننگا مت کرنا۔اس کتاب میں ناگفتنی کے بارے میں اتنا لکھا ہی کافی سمجھا جائے۔

ان کیفیات کے دوران ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی بچہ کسی دوسرے کو اشارتاً کچھ کہہ رہا ہے۔دوسرا بچہ سامنے ہوتے ہوئے بھی اشارا نہیں دیکھ رہا اور میں دوسری طرف منہ ہوتے ہوئے بھی وہ دیکھ رہا تھا اور پھر میں نے اس بچے کو آواز دے کر کہا کہ وہ اتنی دیر سے اشارا کر رہی ہے اور آپ دیکھ ہی نہیں رہی ہیں۔رات بھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔دونوں بیٹیاں گھر پر ہی رکی ہوئی تھیں۔ان کے بچے بھی موجود تھے۔کوئی دوسرے کمرے میں ہلکی سی سرگوشی بھی کرتا تو مجھے سنائی دیتی اور میں فوراً پوچھتا کہ فلاں نے کیا کہا ہے؟

ایک بار ایسا ہوا کہ مجھے کمرے کی بیرونی کھڑکی کے پردوں کے پیچھے سے ایک خوشنما سا بندر جھانکتا ہوا اور اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہاتھ ہلاتا ہوا دکھائی دیا۔اس کے سامنے ایک نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب بڑا سا کمبل جیسا کچھ پڑا ہوا تھا۔ یہ سب پُرکشش تھا لیکن میں نے فوراً اس طرف سے منہ پھیر لیا۔اس کے بعد ایک دو بار کنکھیوں سے اس طرف دیکھا کہ شاید وہ خوشنما بندر ابھی بھی وہیں موجود ہو۔لیکن وہ اب وہاں نہیں تھا۔

رات کو کسی پل ہلکی نیند آئی تو بچوں نے بھی سونے کا ارادہ کر لیا۔تاہم دو بچے ہر وقت میرے کمرے میں رہتے۔ بیداری کے بعد پھر وہی خوشی کا اظہار کہ میرا خدا مجھے اتنا پیار کرتا

ہے۔ پھر اللہ اکبر کا ورد اور سورۃ الم نشرح اور اس کی تین آیات کی دہرائی۔۔۔

پہلی تھراپی چھ جولائی کو ہوئی تھی اور ری ایکشن کے طور پر مجھے 26 جولائی کے دن تک کچھ نہیں ہوا۔اگلی تھراپی 27 جولائی کو تھی۔اپنے حساب سے میں فوت ہو چکا تھا اور اسی حالت میں بچوں سے باتیں کرتا رہا تھا۔بستر پر پڑا ہوا تھا اور دوسری دنیا میں پہنچا ہوا تھا۔نیا دن چڑھتے ہی مجھے ساڑھے نو بجے تھراپی کے لیے روانہ ہونا تھا۔سو وقت پر ٹیکسی مجھے لے گئی اور تھراپی کے بعد وقت پر گھر پہنچا گئی۔واپسی پر میں نے ہلکا سا کھانا کھایا اور پھر گہری نیند سو گیا۔بعد میں چھوٹی بیٹی نے بتایا کہ آپ نے آتے ہی کہا تھا کہ پتہ نہیں میں کیسے یہاں تک پہنچا ہوں۔جبکہ مجھے یہ بات بالکل یاد نہیں ہے۔نیند سے بیدار ہوا تو پھر گزشتہ رات والی کیفیت تھی لیکن سفر اس سے آگے کا تھا۔

اب میں اگلی دنیا میں ایک اور سفر پر تھا۔آگے چل کر جب دادا جی کی وفات کے قصہ اور ابا جی کی موت جیسی علالت میں مقامات اور رفتار کے مسئلے پر بات کروں گا تب اپنے اس سفر کی رفتار کے بارے میں بھی بات کروں گا۔

کئی مناظر سے گزرتے ہوئے ایک وقت آیا جب مجھے کہا گیا کہ آپ نے اب آگے جانا ہے تو خدا سے ملاقات ہو سکتی ہے لیکن پھر واپسی ممکن نہ ہوگی۔لیکن اگر واپس جانا چاہیں تو یہاں سے بھی آپ کو خصوصی طور پر واپس بھیجا جا سکتا ہے۔میں نے یہ بات اسی وقت بچوں کو بتائی کہ مجھ سے میری مرضی پوچھی جا رہی ہے۔پھر میں نے وہاں جواب دیا کہ میری ذاتی خواہش تو یہی ہے کہ اپنے پیارے خدا سے مل سکوں لیکن بچوں کی جو حالت ہو رہی ہے اس کی وجہ سے کچھ وقت کے لیے واپس چلا جاتا ہوں۔میرے جواب کے بعد کچھ دیر معاملے پر غور ہوا اور پھر بتایا گیا کہ مجھے واپس بھیجا جائے گا۔مزید کچھ دیر کے بعد میری واپسی کا حکم جاری کر دیا گیا۔میں تب ہی بچوں کو یہ سارا حال بتاتا جا رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے لیٹے ہوئے اپنا بایاں بازو دائیں طرف تکیے پر رکھنا چاہا تو وہاں تکیے کے اوپر صوفے کی ایک گدی پڑی تھی، ہاتھ اس گدی پر پڑا۔کچھ دیر کے بعد اس گدی میں ہوا بھرنی شروع ہو گئی۔میں نے قریب کھڑی چھوٹی بیٹی سے کہا گدی کو ہاتھ لگاؤ۔اس میں ہوا بھر رہی

ہے، یہ اس بات کا اشارا ہے کہ میری روح واپس آ رہی ہے۔ بیٹی نے گدی کو ہاتھ لگا کر کہا مجھے تو بالکل نہیں محسوس ہو رہی۔ میں نے کہا ہاں یہ میرے لیے اشارا ہے۔ پھر میں نے بائیں کروٹ ہو کر دائیں ہاتھ سے بیڈ کے گدے کو مضبوطی سے پکڑا تو پورے گدے میں ہوا بھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔تب میں نے زیادہ بلند آواز سے کہنا شروع کر دیا کہ زندگی کی واپسی ہو گئی ہے، روح واپس آ گئی ہے۔ مجھے مزید کچھ جینے کے لیے واپس بھیج دیا گیا ہے۔اور پھر وہی اللہ کے پیار کا بیان، اللہ اکبر کا وِرد اور سورۃ الم نشرح اور پھر اس کی تین آیات کی بطور خاص دہرائی۔۔۔والا حال۔

بچے رو رو کر تھک چکے تھے۔میری طرف سے زندگی کی واپسی کے اعلان کے بعد بچے اب کچھ حوصلے میں آ گئے تھے۔بعض بچوں کے ذہنوں میں کچھ سوال تھے۔انہوں نے وہ سوالات کیے۔مقصد یہ تھا کہ میں جو کچھ بیان کر رہا تھا اس کی مزید کچھ وضاحت ہو جائے۔بعض بچے سائنٹفک ذہن رکھتے تھے انہوں نے اپنے طریق سے سوال کیے۔ان کے ساتھ سوال جواب بحث کی صورت بھی اختیار کر گئے۔یہاں میں بچوں کے نام دے کر سوال پیش کرنے کی بجائے ان کے سوالات ہی لکھوں گا اور پھر اپنی سمجھ بُوجھ کے مطابق ان کے جواب بھی لکھوں گا۔یہ زیادہ تر جواب میں نے تب ہی بچوں کو دے دیئے تھے۔

ایک بار پھر یہ واضح کر دوں کہ میں سائنس اور جدید میڈیکل سائنس کی برکات کا قائل ہوں اور ان کی اہمیت کو جانتا اور مانتا ہوں۔یہ علوم جو کچھ بتاتے ہیں ایک حد تک بالکل درست ہیں۔لیکن میں یہ بھی مانتا ہوں کہ ان علوم سے آگے بھی بہت سارے جہان ہیں جن تک یہ علوم ابھی پہنچ نہیں سکے۔

ہمارے معاشرے میں ہسٹیریا کے مریضوں میں سے لڑکیوں کی حالت دیکھ کر ان پر کسی جن کے سائے یا کسی آسیب کی بات کی جاتی ہے اور مردوں میں اسے پاگل پن، جنون میں شمار کیا جاتا ہے۔جبکہ یہ ایک بیماری ہے جس کا اب بہتر علاج ہو جاتا ہے۔

انسانی نفسیات میں کہیں کچھ گڑبڑ ہو تو یہاں بھی بہت کچھ الٹا سیدھا ہو جاتا ہے۔تاہم ان میں عمومی طور پر خاندانی پس منظر اور مریض کی ذاتی زندگی سے بہت کچھ دریافت کیا جا سکتا ہے اور

اس کا بہتر علاج کیا جا سکتا ہے۔

دیوانگی کو ہسٹیریا سے الگ کرتے ہوئے میں اس کی دو اہم کیفیات کا ذکر کروں گا۔دیوانگی کی ایک کیفیت میں انسان کسی ایک مقام پر رُکا ہوا ہوتا ہے، اور اس سے آگے نہیں جا پاتا۔دوسری کیفیت وہ ہے جس میں انسان اپنے وقت سے آگے نکلا ہوا ہوتا ہے۔سائنس کسی ایک مقام پر رُکے ہوئے انسان کو تو کچھ رواں کر سکتی ہے لیکن اپنے وقت سے آگے نکل جانے والے کو واپس لانا ابھی تک ممکن نہیں ہوا۔

دواؤں کا ردِ عمل۔۔۔مختلف بیماریوں کے اثرات کے نتیجے میں بھی اور بعض دواؤں کے اثرات کے نتیجے میں بھی انسان کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے۔کینسر کی تھراپیوں کا ری ایکشن تو کافی سخت رہتا ہے۔جیسا کہ شروع میں ذکر کر آیا ہوں کہ مریض پر گھبراہٹ طاری ہوتی ہے، شدید بے چینی ہوتی ہے، غم و غصہ کی حالت ہوتی ہے۔اس حد تک کہ بعض اوقات وہ مضطرب ہو کر تشدد پر بھی اتر آتا ہے۔

میں اپنے آپ کو ان ساری بیماریوں اور ان کے اثرات کے حوالے سے دیکھتا ہوں تو ابھی تک اللہ کے فضل و کرم سے ان سب سے محفوظ ہوں۔کینسر کی تھراپیوں کے ری ایکشن کو اگر میرے تجربے کا سبب کہا جائے تو میرا بڑا سیدھا اور سائنسی نوعیت کا سوال ہے کہ کیا کینسر کے کسی مریض کو صدمے کے معلوم شدہ ری ایکشن سے ہٹ کر کبھی ایسا ری ایکشن بھی ہوا جیسا مجھے تجربہ ہوا؟ یا کوئی اور مگر نہایت خوشگوار کیفیت اس پر طاری ہوئی؟۔اس سلسلے میں کوئی ''سٹوری'' نہیں بلکہ آج کے ہزاروں مریضوں میں سے کوئی ایک مثال لائی جائے۔

اب میں سائنسی ذہن رکھنے والے اپنے بچوں کے لیے اپنے تجربے کا ایک عقلی جواز پیش کرتا ہوں۔انسانی دماغ کی کارکردگی کو دیکھا جائے تو یہ بھی اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔صرف سائنس پر تکیہ کرنے والے احباب بخوبی جانتے ہیں کہ ہزاروں برسوں سے ترقی پذیر انسان جو پتھر کے زمانے سے آج کمپیوٹر کے زمانے تک آن پہنچا ہے، یہ سب اس کے دس سے پندرہ فی صد دماغ کی کارکردگی کا ثمر ہے۔دماغ کا باقی کا جو 85 یا 90 فی صد حصہ خاموش پڑا

ہے، اگر وہ بھی انسانی دسترس میں کام کرنے لگے تو مزید اور بے پناہ انسانی ترقیات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے

میرا موقف یہ ہے کہ دماغ کا خاموش حصہ کبھی کبھار کوئی لشکارا سا آگے بھیج دیتا ہے جسے علوم کی دنیا میں کبھی کوئی بڑا انکشاف بھی کہا جاتا ہے، جسے کبھی کوئی روحانی تجربہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دماغ کا کمپیوٹر کہیں کسی آسمانی سپریم کمپیوٹر سے بھی جڑا ہوا ہے۔ جدید میڈیکل سائنس خود دماغ کی کارکردگی کو ابھی پوری طرح نہیں جان سکی۔ یہ حقیقت خود میڈیکل سائنس والے بخوبی جانتے ہیں۔

ایک سوال یہ تھا کہ آپ اگر فوت ہو گئے تھے تو باتیں کیسے کر رہے تھے اور تھراپی کے لیے بھی کیسے چلے گئے تھے؟

اس کا جواب یہ تھا کہ روحانی تجربے کو جاننے کے لیے اُس دنیا سے کچھ شناسائی ضروری ہے۔ تاہم یہ معاملہ تو سائنسی طور پر بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اُردن کے موجودہ شاہ عبداللہ کے والد شاہ حسین امریکہ میں تھے۔ وہیں ان کی وفات ہو گئی۔ کلینیکل موت ڈیکلئیر کر دی گئی لیکن کسی خاص طبی عمل سے وہ پورے پروٹوکول کے ساتھ چلتے ہوئے ائر پورٹ تک گئے، جہاز میں سوار ہوئے اور اپنے وطن پہنچے، حالانکہ ان کی وفات ہو چکی تھی۔ سو اگر مادی دنیا میں سائنسی طور پر ایسا کچھ ہو سکتا ہے تو خدا کے لیے کسی بندے کے واسطے ایسا کچھ کر دینا کون سا مشکل کام ہے کہ وہ فوت بھی ہو گیا ہے اور چل پھر بھی رہا ہے اور بات بھی کر رہا ہے۔

ایک سوال یہ تھا کہ آپ ایک ہی وقت میں اُس دنیا میں بھی ہیں اور اِس دنیا میں بھی ہیں۔ اور بیک وقت دونوں مقامات پر بات کر رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

اس کا جواب یہ تھا کہ عام خواب میں بھی انسان ایک ہی وقت میں بستر پر لیٹا ہوتا ہے اور خواب میں کہیں سے کہیں پہنچا ہوتا ہے۔ جبکہ یہ تجربہ خواب سے اوپر کا تھا۔ شاید کشف کی ایسی نادر صورت تھی جس میں جسم بھی کسی نہ کسی طور شریک تھا۔

مجھ سے سوال نہیں کیا گیا بلکہ وضاحتاً مجھے یہ بات بتائی گئی کہ ہپناٹزم کے ذریعے انسان

کو اگلی دنیا کے No Mans Land ایریا میں بھیجا جا سکتا ہے اور وہاں سے دنیا میں واپسی بھی ہو جاتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ ہپناٹزم کے ماہرین کسی کو اگلی دنیا کے کسی بھی زون میں نہیں بھیج سکتے۔ ہاں کسی انسان کو ٹرانس میں لا کر اسے اس کے ماضی کی دنیا کا کچھ حال دکھا سکتے ہیں۔ اس سے بھی انسان کا کتھارسس کر کے اس کے بعض ڈر اور نفسیاتی مسائل دور کیے جا سکتے ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں دس سال پہلے کچھ لکھا تھا، وہ لکھا ہوا یہاں درج کر دیتا ہوں، اس سے اس مسئلہ پر میرا موقف کافی وضاحت کے ساتھ سامنے آ جاتا ہے۔

''پاکستان اور انڈیا کے کئی چینلز جرمنی میں آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ ایسے ہی چینلز میں ایک کا نام NDTV Imagine ہے۔ گزشتہ برس اس چینل پر ایک رئیلیٹی شو ''راز پچھلے جنم کا'' کے نام سے دکھایا گیا۔ چند محدود قسطوں کے بعد اسے بند کر دیا گیا۔ میرے گھر والے اس شو میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے کہ شاید انہیں یہ اپنے معتقدات کے خلاف لگتا تھا۔ میرے پیش نظر دو باتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں ایک طویل عرصے سے کبھی ایسا محسوس کیا کرتا ہوں کہ جیسے میں کسی پچھلے جنم میں بادشاہ/راجہ یا سردار قسم کی چیز تھا اور کبھی ایسے لگتا ہے کہ میں کوئی سادھو، سنت، فقیر یا ملنگ تھا۔ میں اس بات کو اپنی بیوی کے علاوہ بعض بچوں کے ساتھ بھی بیان کر چکا ہوں۔ یہ دو مختلف دھاروں کا احساس پاکستان میں قیام کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ اس لیے پچھلے جنم کا اسرار میرے لیے ذاتی دلچسپی کا موجب تھا۔ دوسری بات یہ کہ مجھے روح کے بھید کو سمجھنے کی خواہش ہمیشہ سے رہی ہے۔ یہ گیان اور معرفت مجھے کہیں سے بھی ملنے کی امید ہو میں ممکنہ حد تک وہاں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ شو تو گھر بیٹھے ہی دستیاب ہو رہا تھا۔ اس میں ایک ماہرِ نفسیات خاتون ایک خصوصی نوعیت کے بیڈ کے ساتھ براجمان ہوتی تھیں۔ وہاں اپنے پچھلے جنم کی یاترا پر جانے کے خواہشمند کو لٹا کر پچھلے جنم کا کچھ حصہ دکھایا جاتا تھا۔ میرا اپنا اندازہ یہ تھا کہ مسمریزم سے ملتے جلتے کسی نفسیاتی طریقے سے مریض کو ٹرانس میں لا کر پھر کسی جینیٹک وے سے یا صدیوں سے محفوظ لاشعور کے ذریعے ہمارے آباؤ اجداد کے کسی کردار کی فلم کے ذریعے سے نفسیاتی علاج کر دیا جاتا

ہے۔

اس شو میں آنے والے بعض لوگ اپنے پچھلے جنم کی کئی انوکھی داستانیں سنا رہے تھے۔ میں ان سب کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ تو سائنس کی ایک سادہ سی، درسی نوعیت کی عام سی بات ہے کہ ہر انسانی سیل کے نیوکلس میں ۴۶ کروموزوم ہوتے ہیں۔۲۳ ماں کی طرف سے اور ۲۳ باپ کی طرف سے۔ کروموزوم کے اندر ایک کیمیائی مادہ ہوتا ہے جسے DNA کہتے ہیں۔ اس DNA کے مالیکیول کے مخصوص حصوں کو جین کہتے ہیں۔ سیل کے ہر فعل کو کنٹرول کرنے والی ایک مخصوص جین ہوتی ہے۔ انسانی جسم کے اربوں سیل میں سے ہر ایک سیل کے ۴۶ کروموزوموں کو ملا کر کروڑوں کی تعداد میں جینز ہوتی ہیں۔ ایک سیل جس کے اندر یہ کروڑوں کی سرگرمیاں جاری و ساری ہیں، اس کی مادی حیثیت کا اندازہ اس بات سے کریں کہ سوئی کی نوک پر ۲۰ ہزار سیل سما جاتے ہیں۔ (یہاں مجھے ایک غیر متعلق بات یاد آ گئی۔ بغداد پر ہلاکو خان کے حملہ کے وقت علماء کے دو گروہوں میں اس مسئلہ پر مناظرہ ہو رہا تھا کہ ستر ہزار فرشتے سوئی کے ناکے میں سے گزر سکتے ہیں یا نہیں؟۔ سوئی کی نوک پر مادی صورت کے حامل ۲۰ ہزار سیل سما سکتے ہیں جبکہ ہر سیل کے اندر کروڑوں جینز موجود ہیں، تو ناکے میں سے ستر ہزار فرشتوں کا گزرنا تو معمولی سی بات لگتا ہے)۔

سیل کی کارکردگی کی اس تفصیل کے بیان سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ہمارے اندر ہمارے آباؤاجداد کی عادات وافعال کا کتنا بڑا حصہ موجود ہے۔ ان کے ذریعے ہمارے ننھیال، ددھیال کے اعمال وعادات کا بہت سارا حصہ ہم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو کبھی کوئی مہاراجہ یا سردار اور کبھی کوئی ملنگ فقیر محسوس کرنا مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میرے ددھیال، ننھیال میں سے کوئی ایسے رہے ہوں گے اور انہیں کی وہ بادشاہی اور فقیری میرے اندر بھی سرایت کر کے کسی نہ کسی رنگ میں میرے مزاج کا حصہ بنی ہوئی ہے۔

این ڈی ٹی وی پر پچھلے جنم کا جو سفر میں دیکھ رہا تھا مجھے لگا کہ وہ اصل میں ان کے کروموزوم میں محفوظ آباؤاجداد کے کسی کردار کی زندگی کی کوئی پرچھائیں جیسی جھلک تھی۔ یہ میں ان افراد کے

بارے میں لکھ رہا ہوں جن کی داستانوں میں کہیں کوئی ربط تھا۔ لیکن کئی باتیں بے ربط یا بے جوڑ بھی محسوس ہوئیں۔ مثلاً کسی کو شدید گھٹن کا احساس ہوتا ہے تو اس کے پچھلے جنم میں اسے کسی صندوق میں بند کر کے ڈبو دیا گیا تھا۔ پچھلے جنم میں ظلم ہوا تھا تو اب تو اس کے بدلہ میں من میں شانتی اور کھلے پن کا احساس ہونا چاہیے تھا۔ اگر وہی گھٹن کا احساس ابھی تک موجود ہے تو پھر نیا جنم پچھلے جنم کا اجر نہیں بنتا بلکہ اسی سزا کا تسلسل لگتا ہے جس کے نتیجہ میں پچھلا جنم انجام کو پہنچا۔ تاہم میرا مقصد یہاں ہرگز ہرگز کسی کے عقائد پر اعتراض کرنا نہیں ہے بس اس پروگرام کو دیکھتے وقت روح کی کھوج کی میری لگن جو کچھ سجھاتی رہی وہ بیان کر رہا ہوں۔ بعض پروگراموں میں جو کچھ دکھایا گیا انہیں کے اندر پچھلے جنم کی داستان کی تردید ہو گئی۔ مثلاً ایک لڑکی کے پچھلے جنم میں اس کی ساس نے اسے زندہ جلا دیا تھا۔ وہ اپنے پچھلے جنم کے گھر کے علاقہ اور ہاؤس نمبر سے لے کر اسکول کے نام پتہ تک کی ساری تفصیل بیان کرتی ہے۔ لڑکی کا پچھلا جنم بھی دہلی میں ہوا اور موجودہ جنم بھی دہلی میں ہوا۔ لیکن جب پچھلے جنم کے مقامات کی تصدیق کرنے گئے تو کوئی بھی درست ثابت نہ ہوا۔ اسی طرح انڈیا میں پنجابی فلموں کی ایک اداکارہ پچھلے جنم میں یاسمین خان تھی، سلطان نامی مسلمان سے محبت کرتی تھی۔ رنجیت سنگھ کے مزار پر جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں اسے مسلمانوں نے قتل کر دیا۔ کسی مسلمان کو کسی ہندو یا سکھ کے ہاتھوں قتل ہوتا بتایا جاتا تو قابلِ فہم بات ہوتی یا پھر لڑکی ہندو یا سکھ ہوتی اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں ماری جاتی تو پچھلے جنم کا راز سمجھ میں بھی آتا۔ اس طرح کے کئی بے جوڑ نتائج پر مبنی پروگرام ماہرِ نفسیات خاتون کی تشخیص کی کمزوری کو ظاہر کرتے ہیں۔‘‘

(’’کھٹی میٹھی یادیں‘‘ کے باب ’’زندگی در زندگی‘‘ سے اقتباس)

دادا جی اور ابا جی کے تجربے، کچھ وضاحت

پیش لفظ میں دادا جی اور ابا جی کے تجربوں کا ذکر کر چکا ہوں۔انہیں ایک بار پھر یہاں بیان کرنا ضروری ہے۔میں ان دونوں تجربوں کو ایک تسلسل میں دیکھتا ہوں۔

’’دادا جی معمولی سا بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا۔سارے عزیز و اقارب جمع ہو گئے۔دادا جی کو غسل دے دیا گیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔وفات کی خبر سن کر آئے ہوئے سارے لوگ خوفزدہ ہو گئے۔کچھ چیختے چلاتے گھر سے نکل بھاگے،ایک دو عزیز دہشت سے بے ہوش ہو گئے۔ابا جی کو’’شادیٔ مرگ‘‘ کا مطلب پوری طرح سمجھ میں آ گیا۔دادا جی اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فوراً کہنے لگے دوسری گلی سے اللہ رکھا کمہار کا پتہ کراؤ۔وہاں سے پتہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ابھی ابھی بیٹھے بیٹھے ہی فوت ہو گیا ہے۔۔

دادا جی نے ایک انوکھی کہانی سنائی۔انہوں نے بتایا کہ مجھے دو سفید کپڑوں والے کہیں لئے جا رہے تھے کہ ایک مقام پر رُکنا پڑا۔وہاں موجود کچھ اور سفید کپڑوں والوں نے ایک رجسٹر چیک کیا(اسے عالم بالا کا شناختی کارڈ آفس سمجھ لیں)دادا جی کو لے جانے والوں کو، چیکنگ کرنے والوں نے کہا: باری تو اللہ رکھا کمہار کی تھی تم لوگ اللہ رکھا قریشی کو لے آئے ہو۔چنانچہ غلطی معلوم ہو جانے کے بعد دادا جی کو پھر اس دنیا میں واپس لایا گیا اور اسی وقت اللہ رکھا کمہار کی موت واقع ہو گئی۔جہاں تک اس واقعہ کی صحت کا تعلق ہے ابا جی، بابا جی، بوا حیات خاتون۔۔سب نے یہ واقعہ اپنی چشم دید گواہی پر بیان کیا۔چاچڑاں شریف اور کوٹ شہباز کے بعض دُور کے اور بوڑھے عزیزوں نے بھی تصدیق کی کہ ہم بھاگ نکلنے والوں میں شامل تھے۔اس قصے کا اصل بھید کیا تھا؟ یہ تو شاید کوہ ندا کی دوسری سمت جا کر ہی معلوم ہو سکے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ سفید کپڑوں والے

سارے فرشتے سرائیکی زبان بول رہے تھے۔ظاہر ہے انہیں علم تھا کہ ہمارے دادا جی صرف سرائیکی زبان ہی جانتے ہیں۔‘‘

(خاکوں کے مجموعہ’’میری محبتیں‘‘ کے خاکہ’’ڈاچی والیا موڑ مہار وے‘‘ سے اقتباس)

دادا جی جس مقام تک گئے اب مجھے اس کے لئے No Mans Land کے الفاظ مناسب لگ رہے ہیں۔اس مقام تک بے شمار لوگ گئے، کچھ آگے نکل گئے اور کئی واپس بھی آ گئے جیسے میرے دادا جی۔

دادا جی کے بعد اب ابا جی کا تجربہ۔۔

’’۱۹۵۰ء میں ابا جی اچانک بیمار ہوئے تھے۔اس علالت میں عجیب و غریب قسم کے دورے پڑتے تھے۔بابا جی کے بیان کے مطابق ابا جی کو چار چار پانچ پانچ کڑیل جوانوں نے دبایا ہوتا تھا مگر ابا جی اس طرح اٹھ بیٹھتے کہ انہیں دبانے والے لڑھکتے ہوئے اِدھر اُدھر جا پڑتے۔ابا جی نے اس سلسلہ میں جو احوال سنایا، اس کے مطابق ان کے اوپر ایک بہت بڑا فانوس نصب تھا، حالانکہ تب ہمارے گھر میں بجلی ہی نہیں آئی تھی۔اس فانوس سے سبز رنگ کی روشنی نکلتی تھی جو آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔اسی روشنی کے ذریعے ان کی بہت سے بزرگوں سے ملاقات ہوئی۔

ابا جی کے بقول ایک مرحلے پر انہیں خود علم ہو گیا تھا کہ ان کی جان نکل رہی ہے۔ٹانگوں سے بالکل جان نکل چکی تھی مگر پھر انہیں دنیا میں مزید(۳۶ سال) جینے کی اجازت مل گئی۔ابا جی کی زندگی کی یہ سنگین بیماری، جس کے باعث سارے عزیز ان کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے حقیقتاً کوئی بیماری تھی یا کوئی روحانی تجربہ تھا، میں اس بارے میں تو کوئی حتمی بات نہیں کر سکتا تاہم بعد میں ان کی زندگی میں خواب بینی، دم درود اور کشوف کا جو سلسلہ نظر آتا ہے وہ اسی تجربے سے ہی مربوط محسوس ہوتا ہے۔واللہ اعلم!‘‘

(خاکوں کے مجموعہ’’میری محبتیں‘‘ کے خاکہ’’برگد کا پیڑ‘‘ سے اقتباس)

ابا جی کا تجربہ خواب اور کشف کی کوئی ارفع صورت تھا جس میں جان نکل رہی ہے اور وہ سبز رنگ کے فانوس کی روشنی میں بہت سارے بزرگوں سے ملاقات کرتے ہیں۔سبز روشنی کے

ذریعے مختلف زمانوں کے مختلف بزرگوں سے ملاقات دراصل روشنی کی رفتار سے ایک روحانی سفر تھا۔ مجھے اس حقیقت کو سمجھنے میں اب کوئی مشکل نہیں ہے۔

دادا جی اور ابا جی کے تجربوں کے تسلسل میں پھر مجھے ایسا تجربہ نصیب ہوا۔ میں بستر پر پڑے ہوئے عالمِ بالا سے بول رہا تھا۔ وہاں کا حال اور یہاں کا حال ایک ساتھ بیان کر رہا تھا۔ یہ بظاہر کسی مریض کی ذہنی کیفیت کہی جا سکتی ہے لیکن یہ سچ ہے کہ اپنے تجربہ میں پورے ہوش وحواس کے ساتھ میں اپنا سفر کر رہا تھا۔ میرے بچے اور بچوں کے بچے میرے اردگرد موجود تھے اور میں اس سارے تجربے سے گزر رہا تھا۔ اور اب اپنی حیثیت سے بلکہ اپنی اوقات سے بڑھ کر بہت بڑی بات لکھنے لگا ہوں کہ میں روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ رفتار کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اس سفر کے نتیجہ میں مجھ پر سنہری رنگ کے ذرات ویسے ہی پڑ رہے تھے جیسے پاکستان میں بس یا ٹرین کے سفر میں مٹی کے ذرات پڑتے ہیں۔ میں ان سنہری ذرات کو اپنی ہتھیلیوں پر بہت زیادہ محسوس کر رہا تھا اور اپنی انگلیوں کو ہتھیلیوں پر لگانے سے عجیب سی لذت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے بچوں سے بھی کہا کہ میری ہتھیلیوں کا رنگ دیکھو اور ان پر اپنی انگلیاں پھیر کر دیکھو۔

ان باتوں کے بعد آپ میری دماغی حالت پر پوری طرح شک کر سکتے ہیں۔ لیکن میں کیا کروں، جو کچھ پیش آیا میں ویسے ہی بیان کر رہا ہوں اور ابھی کم بیان کر رہا ہوں۔

میں جدید سائنس کا معترف ہوں، اس کی برکات و فیوض کو مانتا ہوں۔ اب تک سائنس جہاں پہنچی ہے، بہت بڑی بات ہے لیکن ابھی بہت سے مقامات ہیں جہاں سائنس نے آگے چل کر پہنچنا ہے،

جدید سائنس والوں سے پوچھئے۔۔۔۔

اگر روشنی کی رفتار سے بھی تیز رفتار کے مختلف مدارج سے سفر کیا جائے تو سفر شروع کرنے سے پہلے منزل آ جاتی ہے۔

یہ واقعہ ہوا اپنے وقوع سے پہلے
کہ اختتامِ سفر تھا شروع سے پہلے

29 جولائی کو میرے داماد عادل کے ہاں ایک تقریب تھی۔ بیٹی نے کہا کہ اس حالت میں تو

آپ شاید تقریب میں نہیں جانا چاہیں گے۔ میں نے کہا کہ میں اس لئے جانا چاہوں گا کہ وہاں پر مجھے شریک دیکھ کر آپ مزید اندازہ کر سکیں کہ میں کتنا ہوش میں ہوں۔ چنانچہ اس تقریب میں شریک ہوا۔ ہال کے ساتھ کوریڈورز تھے۔ میں بڑے بیٹے شعیب کو ساتھ لے کر ان کوریڈورز میں گھومتا پھرتا رہا۔ ایک مقام پر رُک کر شعیب کے ساتھ راز کی چند باتیں کیں۔ باتیں شاید زیادہ نہیں تھیں لیکن وقت زیادہ لگ گیا۔ ہاں یہ باتیں ایک قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر کی تھیں۔ یہ آرائشی آئینہ تھا جسے ہال میں داخلے سے پہلے سجاوٹ کے طور پر لگایا گیا تھا۔ ہم دونوں آئینے کے روبرو تھے۔ ایک موقعہ پر میں نے شعیب کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے کچھ زیادہ خاص باتیں بھی کیں۔

اس تقریب میں موسیقی کا شور بہت زیادہ تھا۔ اگر میرے زمانے کے یا میرے مزاج کے گانے ہوتے تو کچھ دیر اور بیٹھ جاتا۔ موسیقی کے بے ہنگم شور سے تھک کر میں بڑے بیٹے کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔ وہاں شور نہیں تھا تو سر میں ہتھوڑی سی چلنے کی آواز آنے لگی۔ میں نے شعیب سے کہا کہ میرے سر کے اس طرف کان لگاؤ، کچھ سنائی دیتا ہے؟

شعیب نے کافی کوشش کی لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دیا۔ کچھ دیر کے لئے خاموشی اور سکون سا محسوس ہوتا لیکن کچھ دیر کے بعد پھر وہی ٹک ٹک شروع ہو جاتی۔ اپنے گھر جانے کے بعد قدرے افاقہ ہوا۔ دوسرے دن مجھے اندازہ ہوا کہ پچھلے چار دن سے مسلسل بولنے کی وجہ سے بھی کچھ اثر ہوا ہو گا اور پھر رات کی تقریب میں موسیقی کے بے تحاشا شور نے زیادہ اثر کیا اور دماغ میں ہتھوڑی سی چلتی رہی۔

میرا جو بھی تجربہ ہے اگر اس کی روحانی نوعیت ہے تو یہ میرے دادا جی اور ابا جی کے تجربوں کا ہی تسلسل ہے۔ دادا جی جب فوت ہوئے تو دنیا سے بالکل کٹ گئے اور اگلی دنیا کا حال دیکھتے رہے۔ موت سے واپسی پر پھر انہوں نے وہاں کا حال بتایا۔

ابا جی جب اپنے تجربہ سے دوچار ہوئے تو وہ دونوں دنیاؤں سے جڑے ہوئے تھے لیکن باہر کا حال بابا جی اور ان کے شاگرد دیکھ رہے تھے اور ابا جی اس سے بے خبر تھے۔ اور ابا جی

اندر یا دوسری دنیا کا جو حال دیکھ رہے تھے بابا جی اور ان کے شاگرد اُس حال سے بے خبر تھے۔

اب مجھے جو روحانی تجربہ ہوا ہے اس میں نہ صرف میں دونوں دنیاؤں سے منسلک تھا بلکہ ایک ہی وقت میں دونوں طرف ہم کلام تھا۔ اِس دنیا میں میرے اپنے سارے چھوٹے بڑے بچے اس تجربے کے گواہ بن رہے تھے۔ میں نے شروع میں بھی کچھ لکھا تھا اب پھر لکھ رہا ہوں کہ میرا روحانی تجربہ کشف کی عمومی کیفیات سے ہٹ کر تھا۔ ممکن ہے یہ نادر کشف کی کوئی ایسی صورت ہو جس میں جسم کی مکمل شرکت کا احساس حاوی ہو۔ یہ کشف تھا تو تب بھی میں نے اپنے پورے جسم کو اس تجربے میں پوری طرح شریک پایا تھا۔

یہ تجربہ جو کچھ بھی تھا اس کا روحانی کنکشن میرے دادا جی اور ابا جی کے تجربوں سے تھا۔ اور اب مجھے یہ تینوں تجربے ایک ہی تجربے کا تسلسل لگنے لگے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اک جھماکا سا ہوا روح کے اندر ایسے
نوری برسوں کی سی رفتار دکھائی دی ہے
اک نئی لمبی مسافت کا زمیں زاد کو حکم
اور اس بار مسافت بھی خلائی دی ہے

روحانی تجربے کے بعد تک اس کے اثرات

جو تجربہ ہونا تھا ہو چکا تھا لیکن اس کے اثرات ابھی تک موجود تھے۔ یہ اثرات میرے اندر بھی موجود تھے اور باہر بھی موجود تھے۔ بچوں کے سوالات کے جواب دینے کے ساتھ بھائی بہنوں سے اور بعض خاص احباب سے بھی گفتگو ہونے لگی۔

30 جولائی کو امریکہ سے میری بہن زبیدہ نے میری خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا۔ چھوٹا بھائی نوید عید منانے کے لئے اپنے بچوں کے ساتھ زبیدہ کے ہاں پہنچا ہوا تھا۔ زبیدہ سے اور راحت بھابی سے تو ہلکی پھلکی سی گفتگو ہوئی لیکن نوید کے ساتھ سلسلۂ کلام طویل ہو گیا۔ میں نے اپنے روحانی تجربے کی روداد اسے سنائی تو اسے مزید سننے کا اشتیاق ہوا۔ پھر ہماری گفتگو خاندان کی بعض پرانی مگر اہم باتوں کی طرف چلی گئی۔ نوید نے کرید کرید کر سوال پوچھے۔ بعض بے حد پرانی باتوں کو چھیڑا۔ میری طرف سے کسی توقف کے بغیر اسی وقت وضاحت کر دی جاتی۔ میں نے محسوس کیا کہ نوید کو دنیاداری کے باوجود روحانی معاملات سے گہرا شغف تھا۔ نوید نے جو سوالات کئے۔ میرے جوابوں سے کچھ مطمئن بھی ہوا۔ اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں بھی شیئر کیں جو اس کے پاس امانت ہیں۔

میرے تجربے سے جڑی گفتگو کا سلسلہ تین گھنٹے اور چند منٹ تک جاری رہا۔ پھر امریکہ والے فون کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی۔ نوید نے یہ اطلاع دی تو میں نے ہنس کر کہا آپ کے فون کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی لیکن میری بیٹری ابھی تک فل چارج ہے۔

کچھ دیر کے بعد نوید نے دوبارہ رابطہ کرنا چاہا تو رابطہ نہیں ہو سکا۔ پھر اس نے اپنی بھتیجی رضوانہ کو فون کیا۔ اس سے میرے بارے میں استفسار کیا۔ رضوانہ نے کچھ آنکھوں دیکھا بتاتے ہوئے کہا ایسا لگتا تھا ابو کی ساتویں حس بیدار ہو گئی ہے۔ اس پر نوید نے ہنستے ہوئے کہا

ساتویں حس ؟۔۔۔۔ مجھے تو ان کی دسویں حس تک بیدار اور روشن دکھائی دے رہی تھی۔ وہ فون پر یہاں تک کی سرگوشیاں بھی سن رہے تھے اور پرانی باتیں جیسے انہیں ازبر تھیں۔

ہمبرگ کے کنارے Norderstadt میں ایک دوست ہیں کولمبس خان صاحب۔ 31 جولائی کو ان کی طرف سے صحت یابی کی دعا کا میسیج ملا۔ آخر میں انھوں نے میرا یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

سب گزرے ہوئے پیارے مجھے دِکھنے لگے ہیں
یا سامنے آئینے کی دیوار کھڑی ہے

یہ شعر پڑھتے ہی یاد آیا کہ میری یہ تئیس چوبیس سال پرانی غزل پوری کی پوری اسی موڈ کی تھی اور کمال یہ ہے کہ گزشتہ چار دنوں میں جو تجربہ ہوا تھا، بالکل اسی تجربے کے بیان پر مشتمل تھی۔ 1997 میں چھپنے والے میرے چوتھے شعری مجموعہ ''دعائے دل'' میں شامل وہ غزل یہاں درج کر دیتا ہوں۔ ان اشعار کو میرے حالیہ تجربے کے واقعات کے ساتھ خود ہی ملا کر دیکھئے۔

یہ آنکھ کے آنسو ہیں کہ ساون کی جھڑی ہے
قابو میں نہیں دل کہ حضوری کی گھڑی ہے
ہم نے ترے غم میں کوئی مالا نہیں پہنی
سینہ ہی دَمکتے ہوئے زخموں کی لڑی ہے
خاطر میں مگر پھر بھی کہاں لائے کبھی ہم
کب اہلِ ملامت پہ نہ اُفتاد پڑی ہے
موت آئی ہوئی ہے مجھے لینے کے لئے اور
یہ زندگی پاس اپنے ہی رکھنے پہ اَڑی ہے
ہے زندگی و موت میں اک معرکہ برپا
جیتے کوئی، ہم پر یہی اک رات کڑی ہے
سب گزرے ہوئے پیارے مجھے دِکھنے لگے ہیں
یا سامنے آئینے کی دیوار کھڑی ہے

دیکھو ہمیں، ہم ہنستے ہوئے جانے لگے ہیں
کچھ جان پہ گزری ہے نہ نزع کی تڑی ہے
کیا اور محبت کا یقیں اُن کو دِلائیں
دَم آنکھوں میں اٹکا ہے نظر اُن پہ گڑی ہے
تشریف تو لے آئے وہ حیدرؔ دمِ رخصت
سو اپنے لئے اتنی عنایت ہی بڑی ہے

☆☆☆

31 جولائی کو پہلے کراچی میں آپی کے ساتھ بات ہوئی۔ میرے سارے حال کو آپی نے بڑی دلچسپی کے ساتھ سنا۔ ہماری گفتگو ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ آپی خود کراچی میں شدید بیمار رہی تھیں اور ابھی ابھی ہسپتال سے چھٹی ملنے کے بعد گھر پہنچی تھیں۔ اسی دن جرمنی میں موجود آپی کے بیٹے اور اپنے بھانجے کامران کے ساتھ بھی بات ہوئی۔ کچھ ان کا حال سنا اور کچھ اپنا حال سنایا۔

یکم اگست سے پانچ اگست تک پھر طبیعت بگڑنے لگی۔ چونکہ جون سے اب تک میں گھر پر ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ چلنا پھرنا گھر کے اندر تک ہی تھا، اس لئے قبض کی شکایت تو قابلِ فہم تھی لیکن ساتھ ہی یورین انفیکشن۔۔۔ یہ بہت تکلیف دہ صورت تھی۔ 5 اگست کو شام کے وقت ایک بار پھر ایمبولینس بلانا پڑی۔ اس کا میں ''بیماریوں کا حال'' میں ذکر کر چکا ہوں۔ مجھے ابھی آگاہ نہیں کیا گیا تھا لیکن سٹیشن B-25 کے کمرہ نمبر 58 میں یہ میری آخری رات تھی۔ مجھے چھت پر ڈراؤنی فلموں، ڈراموں کے مختلف کرداروں جیسی شکلیں دکھائی دینے لگیں۔ ان کے چہرے اور ہاتھ دکھائی دے رہے تھے لیکن ان کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔ وہ ساری شکلیں اوٹ پٹانگ سے ایکشن کر رہی تھیں۔ مجھے ان کی حرکتیں مضحکہ خیز لگ رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد کمرے کے دائیں جانب بالکونی میں چار پانچ ڈراؤنے کردار پورے قد و قامت کے ساتھ آ گئے۔ اب وہ وہاں سے اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہے تھے۔ مقصد مجھے ڈرانا تھا لیکن میں نے ان کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا تو ان میں سے ایک نے جمپ لگائی اور میرے سرہانے تک پہنچ گیا۔ تب میں نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم

جان لینے آئے ہو تو لے جاؤ، میں تیار ہوں۔لیکن اگر صرف اچھل کود کر کے مجھے ڈرانے آئے ہو تو اپنا اور میرا وقت ضائع مت کرو۔اس حالت میں مضحکہ خیز لگ رہے ہو۔

اتنا کہنے کی دیر تھی کہ بالکنی والے بھی اور چھت والے بھی سارے کردار غائب ہو گئے۔

صبح ڈاکٹر اپنے وزٹ پر آئی تو بیماری اور علاج کے حوالے سے بات کرنے کے بعد اس نے عجیب سا سوال پوچھ لیا۔کیا آج کل آپ کو خواب میں اپنے پرانے رشتہ دار دکھائی دیئے ہیں؟ میں نے کہا اپنے رشتہ دار تو دکھائی نہیں دیئے لیکن آج رات اس طرح ڈراؤنے کردار دکھائی دیئے ہیں۔ڈاکٹر مسکرائی اور ساتھ ہی اس نے بتایا کہ آج ہی مجھے اسی سٹیشن کے ایک اور کمرے میں شفٹ کیا جائے گا۔دوپہر کے بعد میں کمرہ نمبر 58 سے کمرہ نمبر 52 میں بھیج دیا گیا۔دن ہسپتال کے معمولات کے مطابق گزر گیا۔رات کو اطمینان کے ساتھ نیند آ گئی۔

مزے کی نیند سویا ہوا تھا کہ اچانک لاؤڈ اسپیکر سے کوئی آواز سنائی دی۔میرا نام لے کر مجھے کہا گیا کہ اپنے خوابوں کی دنیا سے باہر نکلو اور اپنی دائیں جانب دیکھو۔

میں نے دائیں جانب دیکھا تو وہاں پرائمری کلاسز کے بہت سارے بچے رنگ برنگے ملبوسات میں دکھائی دیئے۔ان کے ساتھ بچوں کے پسندیدہ مختلف اور مقبول کارٹونز کے کردار زور زور سے ڈرم بجا رہے تھے، گیت گا رہے تھے۔نئی موسیقی کے باوجود وہ بچوں کے گیت تھے،اس لئے سمجھ میں بھی آ رہے تھے اور اچھے بھی لگ رہے تھے۔اس منظر کا سب سے خوبصورت حصہ یہ تھا کہ بچے گیت گاتے ہوئے جھوم رہے تھے،لہرا رہے تھے اور یہ سب کچھ بڑے والہانہ انداز میں ہو رہا تھا۔

یہ منظر دیکھتے ہی مجھے فوراً صبح ڈاکٹر کا پوچھا ہوا سوال یاد آیا اور ساتھ ہی ذہن اس طرف گیا کہ میرے داماد عادل نے گوگل سے کچھ تلاش کیا ہے اور مجھے ایسے خواب دکھانے والی کوئی دوا اسی ڈاکٹر کے ساتھ ڈسکس کی ہے اور اسی کے نتیجہ میں مجھے کوئی دوا دے کر ایسا خواب دکھایا گیا ہے۔میں اسی حالت میں عادل کی ذہانت اور جدید میڈیکل سائنس کی پیش قدمی پر خوش ہو رہا ہوں اور اپنی بیٹی درثمین سے کہتا ہوں کہ یہ عادل تو بڑا کام کا بندہ نکلا۔اسے سنبھال کر رکھنا اور ضائع مت ہونے دینا۔اس کے ساتھ ہی پھر وہی آواز آئی۔اب اپنی بائیں جانب دیکھو۔

میں نے بائیں جانب دیکھا تو وہاں بھی ویسا ہی منظر تھا۔سامنے بھی ویسا منظر تھا۔پھر میرے سامنے نیم دائرے کی صورت میں ایک وسیع میدان تھا اور سارا ایریا جھومتے،لہراتے اور گاتے ہوئے بچوں سے بھرا ہوا تھا۔میں زندگی سے بھرپور یہ سب دیکھ ہی رہا تھا کہ یک دم منظر بدل گیا۔

میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک خوفناک صورتِ حال سامنے تھی۔میں نے پہچانا کہ یہ No Mans Land ہے۔یہاں میرے سارے بچے اور ان کے سارے بچے میرے سامنے پڑے ہوئے تھے،وہ درد سے کراہ رہے تھے اور ان میں سے بعض کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر سے سنائی دینے والی آواز پھر سنائی دی۔تمہاری مرنے کی خواہش نے تمہاری محبت میں ان سب کو بھی اس حال میں پہنچا دیا ہے۔یہ ابھی بھی دنیا میں واپس بھیجے جا سکتے ہیں۔اب تمہارے پاس آخری موقعہ ہے،ابھی اور اسی وقت کھڑے ہو جاؤ اور سب دنیا میں واپس چلے جاؤ ورنہ اب تم سب کو آگے بھیج دیا جائے گا۔میں حیران تھا کہ میری تو اُس دنیا سے واپسی ہو چکی ہے پھر یہ کیا ماجرا ہے؟لیکن کچھ کہے بغیر میں فوراً اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔پھر ایسے لگا جیسے ہم سب اِسی دنیا میں ہیں اور سارے بچے اپنی اپنی زندگی کے معمولات میں مصروف ہیں۔

بعد میں جب عادل اور درثمین کو یہ حال سنایا تو عادل نے بتایا کہ میں نے ایسا تو کچھ نہیں کیا،نہ ہی ڈاکٹر سے کوئی بات ہوئی ہے لیکن چند روز پہلے میں نے درثمین سے کہا تھا کہ انکل سے اب کہنا چاہئے کہ بے شک اپنے لئے نہ سہی لیکن انہیں اب ہمت کر کے بیماریوں سے چھٹکارا پا کر اپنے بچوں کے لئے اُٹھ کھڑے ہونا چاہئے۔عادل کا درثمین سے ایسا کہنا اور بعد میں اس سے ملتا جلتا منظر خواب میں آنا میرے لئے دلچسپی کا موجب ہوا۔

تب سے اب تک تھراپیاں بھی ہو رہی ہیں،بہت ساری دوائیں بھی باقاعدگی سے لے رہا ہوں لیکن پھر نہ وہ چار دنوں والے تجربے جیسا کچھ ہوا ہے اور نہ ہی کسی اور طرح کا کوئی تجربہ ہوا ہے۔ سب کچھ نارمل اور معمول کے مطابق چل رہا ہے۔**الحمدللہ**۔

شکرگزاری

لگا تار بیماریوں سے گزرتے ہوئے، روحانی تجربے سے بھی گزرتے ہوئے ہر گام اور ہر آن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل و کرم اور عنایات شاملِ حال رہیں، زندگی بھر کی دوسری عنایات کے ساتھ ان عنایاتِ خاص پر اپنے پیارے خدا کا شکر گزار ہوں۔

بیماریوں کے علاج معالجہ کے سلسلہ میں جرمنی کے نظامِ صحت کو ملکی قوانین کا حصہ جانتے ہوئے بھی جرمن حکومت اور نظامِ صحت کے اقدامات کو خود پر احسان سمجھتا ہوں اور جرمن حکومت اور ان کے نظامِ صحت کا شکر گزار ہوں۔

باڈزودن اور ہوئیسٹ کے ہسپتالوں میں جن ڈاکٹرز، نرسز اور دیگر عملہ نے میرے علاج معالجہ سے لے کر دیکھ بھال تک سارے امور ہمدردی اور خصوصی توجہ کے ساتھ سرانجام دیئے، ان سب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سب کے لیے دعا گو ہوں۔ اپنے Dr. med.Gerd Ehrhardt اور ڈاکٹر ابرار احمد کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان کے ساتھ تو بظاہر زندگی بھر کا واسطہ ہے۔ ان کی خصوصی توجہ ہمیشہ میری صحت میں بہتری لائی ہے۔

ان بیماریوں کے دوران میرے سارے بچوں نے جس طرح بے چین ہو کر بھاگ دوڑ کی اور مضطرب ہو کر میرے لئے دعائیں کیں، ان پر بھی اپنے سارے بچوں کا شکر گزار ہوں۔
پھر میرے روحانی تجربے کے دوران ان بچوں نے جس طرح جمع ہو کر ساتھ نبھایا اس پر بھی ان سب کا شکریہ۔ بیٹے، بیٹیاں، بہو، داماد، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسی سب کا شکر گزار ہوں۔
نام بنام ۔۔: رضوانہ کوثر، شعیب حیدر، عثمان حیدر، طارق محمود حیدر، درِثمین، تسنیم حیدر، حفیظ کوثر، عادل انور، شہر یار حیدر، شایان حیدر، شیراز حیدر، جہاں زیب حیدر، ماہ نور حیدر، ثانیہ حیدر، علیشا

حیدر، مشہود کوثر، مسرور کوثر، احتشام کوثر، ساحل انور، ساحر انور اور عنایہ کوثر ان سب کا شکریہ اور سب کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی بے شمار دعائیں!۔۔۔۔۔۔

چھوٹے بیٹے طارق محمود حیدر (ٹیپو) کا بہت زیادہ شکریہ کہ ہر طرح کی بھاگ دوڑ سے لے کر مجھ سے متعلق بیشتر ذمہ داریوں کو اٹھانے اور نبھانے تک اس نے بہت خدمت کی ہے اور ابھی تک میری بہت ساری ذمہ داریاں اٹھائے ہوئے ہے۔ ٹیپو کے لئے مزید بہت ساری دعائیں اور **جزاک اللہ۔**

جن عزیزوں اور احباب نے نجی طور پر بھی اور سوشل میڈیا کے ذریعے بھی بیماری کے اول روز سے اب تک میری صحت یابی کے لیے خلوصِ دل سے دعائیں کیں، مسلسل میری خیریت پوچھتے رہے، ان سب کا بھی بہت بہت شکریہ۔
سارے عزیز و اقارب اور دوست احباب اب بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

حیدر قریشی

ایک بارپھر

مجھے جو کچھ پیش آیا، میں نے جو روحانی تجربہ کیا، اسے جہاں تک بیان کرنا ممکن تھا، میں نے بیان کر دیا ہے۔ میں اسے ایسا نادر کشف سمجھتا ہوں جو عام کشوف سے مختلف ہے اور جس میں مجھے میرا پورا جسم بھی شریک محسوس ہوتا رہا۔ میرے دادا جی اور ابا جی کے تجربات سے جڑا ہوا میرا تجربہ میرے لئے ایک روحانی تجربہ تھا۔ میں نے اپنے تجربے میں خود آپ کو شریک کیا ہے۔

آپ اسے ایسا ہی سمجھیں، یا اسے میری بیماریوں کا اثر سمجھیں،

دواؤں کا ری ایکشن سمجھیں، یا کچھ اور سمجھیں،

آپ کو اس کے بارے میں کوئی بھی رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔

میرا لکھا ہوا اپنی جگہ موجود ہے۔ اور موجود رہے گا۔ دماغ کی بیداری کے ساتھ میں نے اسے سچے دل سے لکھا ہے، سو اسے کتابِ دل سمجھیں۔

کہیں کہیں میں نے اپنی بعض باتوں کو ایک سے زیادہ مرتبہ بیان کیا ہے۔ یہ ان باتوں کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ضروری تھا۔ جب آپ ان باتوں پر غور کریں گے تو آپ کو ان کے دہرائے جانے کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

اپنی اڑانیں، ساری شانیں، تیرے دَم سے یار

تیرے ہاتھ ہوائیں ساری تیرے ہاتھ میں ڈور

حیدرقریشی

حیدرقریشی

بوندبھرروشنی

بوندبھرروشنی تھی مگر یوں لگا
جیسے اک بوند میں ہی سمندر بھرا ہو
میں اُس بوند میں تھا یا وہ بوند مجھ میں
ابھی تک یہ عقدہ نہیں کھل سکا ہے
مگر ایک منظر سا کچھ یاد ہے کہ
سمندر کے اندر سمندر گرا تھا
انوکھی سی اک روشنی کا عجب موج در موج سا
جگمگاتا ہوا سلسلہ تھا
جسم اور روح جیسے مقابل بھی تھے، باہم آمیز بھی
شاید ایسا ہی کچھ تھا یا کچھ اور تھا۔۔۔
ایسے لگتا ہے اب بوندبھرروشنی میں
فقط اک سمندر نہیں، جانے کتنے سمندر، رواں تھے
اس میں کتنے ہی سورج ستارے چمکتے تھے
اور کہکشائیں خلا در خلا رقص کے حال میں تھیں
جہاں ساری سمتیں ہی بے معنی سی ہو گئیں
سارے بُعد اور سارے زمانے
کسی ایک نکتے میں جیسے سمٹ آئے تھے
وہ نقطہ وہی بوند تھا
بوندبھرروشنی!

وَتُعِزُّ مَن تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَن تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الخَیرُ ط

(ال عمران:۲۷)

حیدر قریشی سے متعلق اب تک ہونے والا یونیورسٹی سطح کا تحقیقی کام

۱۔حیدر قریشی شخصیت اور فن۔۔۔۔منزہ یاسمین (ایم اے اردو کا **تحقیقی مقالہ** سال۲۰۰۲۔۲۰۰۰ء)

(اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان)

۲۔حیدر قریشی شخصیت اور ادبی جہتیں۔۔۔۔ڈاکٹر عبدالرب استاد (تحقیقی مقالہ برائے **پی ایچ ڈی** ۲۰۱۳ء)

(گلبرگہ یونیورسٹی گلبرگہ، کرناٹک، انڈیا)

۳۔حیدر قریشی۔حیات و خدمات انجم آراء(**ایم فل کا مقالہ** سال۲۰۱۳ء)

(کلکتہ یونیورسٹی، کولکاتا، انڈیا)

۴۔حیدر قریشی کی ادبی خدمات۔۔۔۔عامر سہیل (تحقیقی مقالہ برائے ایم فل اُردو، ۲۰۱۴ء)

(ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ، پاکستان)

۵۔حیدر قریشی کی شاعری کا مطالعہ۔۔۔ہردے بھانو پرتاپ (**ایم فل کا مقالہ**، سال۲۰۱۴ء)

(جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی۔انڈیا)

۶۔حیدر قریشی کی افسانہ نگاری کا مطالعہ۔۔۔رضینہ خان (**ایم فل کا مقالہ** سال۲۰۱۴ء)

(جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی۔انڈیا)

۷۔حیدر قریشی کی شاعری کی روشنی میں بیرونی ممالک کی اردو شاعری۔''تنقیدی مطالعہ اور ترجمہ''

شعر المهجر عند حیدر قریشی ''دراسة تحليلية نقدية مع الترجمة''

احمد عبدربہ عباس عبدالمنعم (**ایم اے کا مقالہ** سال ۲۰۱۵ء)۔**ازہر یونیورسٹی۔قاہرہ، مصر**

یہ مقالہ عربی میں لکھا گیا ہے اور اس کے لیے حیدر قریشی کے چار شعری مجموعوں کا عربی ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

۸۔مجلّہ ''جدید ادب'' کی ادبی خدمات'' از کنول تبسم (**ایم فل کا مقالہ**۔سال ۲۰۱۸ء)

وفاقی اردو یونیورسٹی۔اسلام آباد

۹۔رسالہ ''جدید ادب'' کی ادبی خدمات۔تحقیقی و تنقیدی مطالعہ از محمد شعیب

ہزارہ یونیورسٹی۔مانسہرہ۔ (ایم فل کا مقالہ۔۲۰۱۸ء)

۱۰۔جدید ادب میں شائع ہونے والے مباحث۔۔۔۔شازیہ حمیرہ **ایم اے اردو کا تحقیقی مقالہ**

سال۲۰۰۹۔۔۔۲۰۰۷ء۔اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور،

۱۱۔حیدر قریشی بہ حیثیت محقق و نقاد۔۔۔۔صغریٰ بیگم **ایم فل کا تحقیقی مقالہ**

سال۲۰۱۶،۔۔وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد

یونیورسٹی مقالات میں حیدر قریشی کا جزوی مگر اہم ذکر

۱۔اردو میں ماہیا نگاری از ڈاکٹر صبیحہ خورشید

سال۲۰۰۹ء۔ناگپور یونیورسٹی، ناگپور، انڈیا سے **پی ایچ ڈی کا مقالہ**

۲۔رحیم یار خان کے جدید شعراء کا تصورِ محبوب از فرزانہ یاسمین

سال۲۰۱۷ء۔نیشنل کالج آف بزنس، ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور، **ایم فل کا مقالہ**

نیشنل کالج آف بزنس، ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

۳۔''ضلع رحیم یار خان کے شعراء گوہر ملسیانی، منور نقوی، حیدر قریشی کا خصوصی مطالعہ'' از محمد بلال قادر

ایم فل کا مقالہ۔نیشنل کالج آف بزنس، ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

۴۔''خان پور میں اُردو غزل کی روایت کا تجزیاتی مطالعہ'' از نذیر بزمی

ایم فل کا مقالہ۔نیشنل کالج آف بزنس، ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

۵۔اُردو میں میراجی شناسی کی روایت کا تجزیاتی مطالعہ از ساجدہ پروین **پی ایچ ڈی کا مقالہ**

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔اسلام آباد۔سال۲۰۱۴ء

۶۔''لالۂ صحرا''۔۔۔''ادب جہاں''۔۔۔''جدید ادب'' کی ادبی خدمات از ثنا اظہر

ایم فل کا مقالہ۔نیشنل کالج آف بزنس، ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

ادبی اعتراف

حیدرقریشی کے بارے میں لکھی گئی اور مرتب کی گئی کتابیں

۱۔حیدرقریشی فکروفن مصنف:محمد وسیم انجم
(مطبوعہ۱۹۹۹ء)ناشر:انجم پبلشرز،کمال آباد نمبر۳،راولپنڈی۔پاکستان

۲۔حیدرقریشی فن اور شخصیت
مرتبین:نذیر فتح پوری اور سنجئے گوڑ بولے(مطبوعہ۲۰۰۲ء)
ناشر:اسباق پبلی کیشنز۔پُونہ،انڈیا

۳۔حیدرقریشی کی ادبی خدمات
مرتب:ڈاکٹر نذر خلیق(مطبوعہ۲۰۰۳ء)ناشر:میاں محمد بخش پبلشرز،خانپور،پاکستان

۴۔حیدرقریشی شخصیت اور فن۔۔۔منزہ یاسمین کا تحقیقی مقالہ کتابی صورت میں۔
اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور سے ایم اے اردو کا تحقیقی مقالہ۔سال۲۰۰۲۔۲۰۰۰ء
ناشر:میاں محمد بخش پبلشرز۔خانپور۔پاکستان

۵۔حیدرقریشی سے لیے گئے انٹرویوز
مرتب:سعید شباب(مطبوعہ۲۰۰۴ء) ناشر:نظامیہ آرٹ اکیڈمی۔ایمسٹرڈیم۔ہالینڈ

۶۔ادبی کتابی سلسلہ عکاس حیدرقریشی نمبر۔۔۔مدیرومرتب:ارشد خالد
ناشر:عکاس پبلی کیشنز،اسلام آباد(کتاب نمبر۴۔مطبوعہ اکتوبر۲۰۰۵)

۷۔حیدرقریشی کی شاعری مرتب:ہردے بھانو پرتاپ
ناشر:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔دہلی۔(مطبوعہ۲۰۱۳ء)

۸۔حیدرقریشی شخص و عکس مدیرومرتب:ارشد خالد
ناشر:عکاس انٹرنیشنل اسلام آباد(۲۰۱۴)

۹۔حیدرقریشی کا ادبی سفر عامر سہیل کا ایم فل کا تحقیقی مقالہ کتابی صورت میں
ناشر: سقراط بکس۔ایبٹ آباد۔۲۰۱۵ء

حیدرقریشی پر ترتیب دیئے گئے گوشے اور مطالعۂ خصوصی

۱۔گوشۂ حیدرقریشی مطبوعہ ماہنامہ''اسباق''پونہ شمارہ:فروری تا اپریل۱۹۹۳ء۔ایڈیٹر:نذیر فتح پوری

۲۔حیدرقریشی(بطور افسانہ نگار)مطبوعہ ماہنامہ''شاعر''بمبئی۔
شمارہ مئی تا دسمبر۱۹۹۷ء۔ہم عصر اردو ادب نمبر۔۔۔ ایڈیٹر : افتخار امام صدیقی

۳۔اشاعتِ خصوصی''دنیائے ادب کا درخشاں ستارہ۔حیدرقریشی''ہفت روزہ ہوٹل ٹائمز اسلام آباد۲۲مئی تا ۲۸ مئی۱۹۹۸۔ مرتبین:اختر رضا کیکوٹی و محمد وسیم انجم

۴۔گوشۂ حیدرقریشی مطبوعہ سہ ماہی''ادب عالیہ''وہاڑی۔شمارہ مارچ۲۰۰۲ء۔ایڈیٹرز:ریاض ہانس

۵۔خصوصی مطالعہ''مہرِ امروز''مطبوعہ ماہنامہ کائنات شمارہ مئی۲۰۰۴ء
(urdudost.com) ایڈیٹر:خورشید اقبال

۶۔گوشۂ حیدرقریشی مطبوعہ ماہنامہ شاعر بمبئی شمارہ نومبر۲۰۰۴ء ۔ایڈیٹر:افتخار امام صدیقی

۷۔خصوصی مطالعہ سہ ماہی ادب ساز دہلی(تقریباً۵۰صفحات میگزین سائز پر مشتمل)
شمارہ:۶،۷،جنوری تا جون۲۰۰۸ء،ایڈیٹر:نصرت ظہیر

۸۔خصوصی مطالعہ''عمرِ لاحاصل کا حاصل''
مطبوعہ ادبی کتابی سلسلہ عکاس انٹرنیشنل اسلام آباد(کتاب نمبر۱۰) مدیر:ارشد خالد

۹۔گوشہ بحیثیت محقق و نقاد،مطبوعہ،ادبی کتابی سلسلہ عکاس انٹرنیشنل اسلام آباد(کتاب نمبر۱۱،مئی۲۰۱۰ء)
مدیر:ارشد خالد

۱۰۔مطالعۂ خاص۔ایک کتاب:''عمرِ لاحاصل کا حاصل''۔
مطبوعہ ادبی کتابی سلسلہ عکاس انٹرنیشنل اسلام آباد۔کتاب نمبر۱۳۔مارچ۲۰۱۱ء۔مدیرومرتب:ارشد خالد

۱۱۔ایک گوشہ حیدرقریشی کے لیے۔دوصفحات پر مشتمل۔ روزنامہ پیغام دہلی شمارہ:۱۰مئی۲۰۱۴ء،
ایڈیٹر:مطیع الرحمٰن عزیز

۱۲۔''ایک گوشہ حیدرقریشی کی تحقیق و تنقید نگاری کے لیے''۔
مطبوعہ عکاس انٹرنیشنل،اسلام آباد،کتاب نمبر۲۸۔اپریل۲۰۱۸ء۔مدیرومرتب:ارشد خالد

انٹرنیٹ پرحیدرقریشی کی تمام کتابوں کی پی ڈی ایف فائلز

خود سے پہلے

ابا جی اورامی جی۔۔۔۔۔حیاتِ مبارکہ حیدر

شعری مجموعے

سلگتے خواب،۔۔عمرِ گریزاں،۔۔محبت کے پھول،۔۔دعائے دل،۔۔دردسمندر،۔۔زندگی،

نثری مجموعے

روشنی کی بشارت،۔۔۔قصے کہانیاں،(افسانے)۔۔۔میری محبتیں(خاکے)
کھٹی میٹھی یادیں،۔۔۔قربتیں،فاصلے(انشائیے)،۔۔۔ سوئے حجاز(سفرنامہ)

تحقیق و تنقید

حاصلِ مطالعہ،۔۔تاثرات،۔۔مضامین اورتبصرے،۔۔مضامین ومباحث
ستیہ پال آنند کی بودنی،نابودنی،۔۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور مابعد جدیدیت،
وزیرآغا عہد ساز شخصیت،

ماھیا کے حوالے سے تحقیق و تنقید

اردو میں ماہیا نگاری،۔۔۔اردو ماہیے کی تحریک،
اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما،۔۔۔اردو ماہیا،۔۔۔ ماہیے کے مباحث،

حالاتِ حاضرہ

منظراورپس منظر،۔۔۔خبرنامہ،۔۔۔اِدھراُدھرسے،۔۔۔چھوٹی سی دنیا،

حیدرقریشی کی مذکورہ بالاتمام کتابیں،الگ الگ کتاب کی صورت میں اس لنک پردستیاب ہیں

http://my27books.blogspot.de/

انٹرنیٹ پرحیدرقریشی کی کتابوں کی پیش کش کا ایک اورانداز

چھ شعری مجموعے ایک جلد میں
’’قفس کے اندر‘‘
۱۵۲ صفحات کے عوامی ایڈیشن اور ۶۱۸ صفحات کے انٹرنیٹ ایڈیشن دونوں ساتھ ساتھ

افسانوں،خاکوں،یادوں،انشائیوں اورسفرناموں پر مشتمل چھ نثری مجموعے ایک جلد میں
’’خواب کے اندرخواب‘‘

اردو ماہیے کی تحقیق وتنقید پر مشتمل پانچ کتابیں ایک جلد میں
’’اردو ماہیا تحقیق وتنقید‘‘

علمی وادبی موضوعات پر چھ تنقیدی مجموعے ایک جلد میں
’’ہمارا ادبی منظرنامہ‘‘

پانچ شعری اور چھ نثری مجموعوں پر مشتمل میگزین سائز کتاب
’’عمرِ لاحاصل کا حاصل‘‘

مذکورہ بالا کلیات کی صورت میں حیدرقریشی کی کتابیں اس لنک سے لے سکتے ہیں۔

http://kuliat-library.blogspot.de/

حیدرقریشی کے فن کے حوالے سے مرتب کی گئی اور لکھی گئی کتابیں
اخبار وادبی رسائل کے نمبر اور گوشے اور یونیورسٹیوں کے دستیاب تحقیقی مقالات اس لنک پر

http://work-on-haiderqureshi.blogspot.de/
